تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر اُستوار لا کہیں سے ڈھونڈ کر اَسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا ترجمان

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

بانی : اقتدار احمد مرحوم ۷ تا ۱۳ مئی ۱۹۹۸ء مدیر : حافظ عاکف سعید

"یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے...."

دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک ایسی ذمہ داری ہے جو ہرگز کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ اپنی فطرت کے لحاظ سے بھی دشوار ہے اور اس پہلو سے بھی دشوار ہے کہ لوگوں کی خواہشات و جذبات' ان کے مصالح و مفادات اور ان میں سے کچھ لوگوں کے غرور و تکبر سے ان کا تصادم ہوتا ہے۔ پھر انسانوں میں ظالم و جابر افراد بھی ہوتے ہیں حاکم بااقتدار بھی' ایسے پست لوگ بھی جنہیں اوپر اٹھنا ناپسند ہے' ایسے ڈھیلے ڈھالے لوگ بھی جو چستی کو پسند نہیں کرتے' ایسے سست اور کاہل لوگ بھی جنہیں محنت گوارا نہیں' ایسے ظالم بھی جو عدل و انصاف کے خوگر نہیں' ایسے کج رو بھی جو صحیح روش کو ناپسند کرتے ہیں' ایسے لوگ بھی جو معروف کو منکر خیال کرتے ہیں اور منکر کو معروف۔ لیکن امت اور نوع انسانی اسی وقت فلاح سے ہم کنار ہو سکتی ہے جبکہ خیر غالب ہو' معروف' معروف ہو اور منکر' منکر۔ اور یہ بات اسی وقت پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے جبکہ خیر اور معروف کے ہاتھ میں اقتدار ہو' جو حکم دے اور منع کرے اور لوگ اس کے احکام کی اطاعت کریں!

اس کے لئے ایک جماعت ناگزیر ہے جو ان دو بنیادی ستونوں —— ایمان باللہ اور اخوت فی اللہ —— پر قائم ہو' تاکہ وہ ایمان اور تقویٰ کی قوت اور پھر محبت اور الفت کی قوت کے ذریعہ اس دشوار اور پر مشقت ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے اور یہ دونوں امور —— تقویٰ و اسلامی اخوت —— اس رول کے ادا کرنے کے سلسلے میں ضروری ہیں' جو اللہ نے امت مسلمہ پر عائد کیا ہے' اسے اس کا ذمہ دار و مکلف ٹھہرایا ہے اور اسے ادا کرنے کو فلاح کے لئے شرط لازم قرار دیا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس ذمہ داری کا بار اٹھاتے ہیں' ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "اور یہی لوگ فلاح سے ہمکنار ہونے والے ہیں"۔

(اقتباس از : فی ظلال القرآن' سید قطب شہیدؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

طالبان، شمالی اتحاد مذاکرات

امریکی صدر بل کلنٹن کے خصوصی ایلچی بل رچرڈسن کے جنوبی ایشیا کے اہم دورے کے فوری بعد اسلام آباد میں عجلت میں منعقد کرائے گئے افغان امن مذاکرات مکمل طور پر ناکام ہو گئے۔ فریقین کی ان امن مذاکرات میں سنجیدگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مذاکراتی ٹیموں میں صف اول کا کوئی لیڈر شامل نہیں تھا۔ فریقین نے مذاکرات کے دوران بیشتر وقت اس مسئلہ پر صرف کیا کہ لفظ "عالم" کی تعریف کیا ہے۔ طالبان کا موقف تھا کہ سٹیرنگ کمیٹی کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ مشترکہ علماء کمیشن قائم کیا جائے جو افغانستان میں حقیقی امن قائم کرنے کیلئے مذاکرات کرے۔ لیکن شمالی اتحاد نے علماء کمیشن کیلئے جن ۲۰ افراد کی فہرست پیش کی، طالبان کی رائے میں وہ علماء کی تعریف میں نہیں آتے تھے۔ اگرچہ طویل بحث مباحثے کے بعد طالبان نے ان افراد کو علماء تسلیم کر لیا لیکن بعد ازاں پھر ڈیڈ لاک پیدا ہو گیا اور ۲ مئی کو طالبان کا وفد اپنی حکومت سے مشورہ کرنے افغانستان گیا لیکن وہ لوٹ کر واپس نہ آیا اور طالبان حکومت کا پاکستان میں سفیر اپنے سفارت خانے کے دو اہلکاروں کے ساتھ اپنے وفد کے متبادل کے طور پر مذاکرات کیلئے پنجاب ہاؤس پہنچا لیکن شمالی اتحاد نے وفد کی تبدیلی کو طالبان کی مذاکرات میں غیر سنجیدگی قرار دیتے ہوئے مذاکرات کا بائیکاٹ کر دیا۔ اقوام متحدہ کے نمائندے نے رہبر کمیٹی کا اجلاس غیر معینہ مدت کیلئے ملتوی کر دیا۔ فریقین نے حسب معمول مذاکرات کی ناکامی کا ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

افغانستان میں تقریباً ۲۰ سال سے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، انسان انسان کا خون بہا رہا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ متحارب گروپوں میں سے کون زیادہ قصور وار ہے، یہ حقیقت ہے کہ اس خون خرابے کی اصل اور بنیادی ذمہ دار خود افغان قوم ہے اس لئے کہ امریکہ ہو یا پاکستان اگر افغانستان میں ان کی طرف سے مداخلت ہوتی ہے تو یہ خود افغانیوں کی مدد اور تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسئلہ افغانستان کے دوران امریکہ کا رویہ اور طرز عمل انتہائی ظالمانہ، جابرانہ اور سفاکانہ رہا ہے۔ وہ جب محسوس کرتا ہے کہ افغان مجاہدین اپنی منزل کے قریب پہنچ رہے ہیں، امداد سے ہاتھ کھینچ لیتا تھا اور جب کبھی مجاہدین بری طرح پٹ رہے ہوتے تھے تو ان کی پشت پناہی کرتا تھا۔ یہ ڈرامہ اس لئے رچایا جاتا تاکہ جنگ طویل ہو اور روس کے اعصاب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے افغانیوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ روسی افواج کے اخراج کے بعد امریکہ عبوری حکومت کے قیام میں رکاوٹ بنا اور مجاہدین کے گروپوں کو آپس میں لڑانے میں کامیاب رہا۔ پھر ایران سے محاذ آرائی کی وجہ سے اسے طالبان کی بالواسطہ مدد کرنی پڑی لیکن جب اس کی توقع کے خلاف طالبان اسی فیصد علاقے میں امن و امان قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو امریکہ نے طالبان کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکہ جو آزادی اور جمہوریت کا علمبردار ہے اور عالمی امن کا ٹھیکیدار بن بیٹھا ہے وہ کس اصول کے تحت افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم نہیں کر رہا۔ وہ ماضی میں اپنے مفاد میں ایسی حکومتوں کو تسلیم کر چکا ہے جو کسی علاقہ پر نہیں بلکہ ہوا کے دوش پر قائم تھیں۔

طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے صرف اتنی دلیل ہی کافی ہے کہ دارالحکومت سمیت افغانستان کے اسی فیصد علاقے پر اس کا بلا شرکت غیرے کنٹرول ہے، پھر یہ کہ مدتوں بعد اس علاقے میں امن و امان قائم ہوا ہے اور اس کا صد فیصد کریڈٹ طالبان کو جاتا ہے۔ شمالی اتحاد کے زیر نگین شمالی افغانستان میں صرف مزار شریف ایک معروف جگہ ہے اور طالبان مخالف تمام افغانی کمانڈر اب اس محدود علاقہ میں جمع ہو چکے ہیں۔ اگر بیرونی قوتیں افغانستان میں حقیقی امن کی خواہاں ہیں تو انہیں پہلے قدم کے طور پر افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنا ہو گا اور طالبان کی مخالفت محض اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ وہ افغانستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی عملی اور حقیقی کوششیں کر رہے ہیں۔ جب تک بیرونی قوتیں اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتیں، امن مذاکرات محض ڈھونگ اور وقت کا ضیاع ثابت ہوں گے۔

ہم اسلامیان پاکستان کی توجہ اس طرف دلانا اپنا ملی فریضہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی دینی اور سیاسی جماعتیں افغانستان میں طالبان کی حکومت کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے اور نفاذ اسلام کے بارے میں مغرب کے پروپیگنڈے کو زائل کرنے کے لئے کیا رول ادا کر رہی ہیں؟ خصوصاً وہ جماعتیں جو خود کو افغان جہاد کا چیمپئن قرار دیتی تھیں اور جنہوں نے افغان جہاد کو ہر لحاظ سے اپنے حق میں کیش کروایا۔ وہ طالبان کی اسلامی حکومت کو کھل کر اپنا تعاون کیوں پیش نہیں کرتیں؟ انہیں اسلامی نظام کے نفاذ سے دلچسپی تھی یا وہ بعض پسندیدہ شخصیات کے اقتدار کی خواہاں تھیں۔ ہماری دینی سیاسی جماعتیں یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ طالبان افغانستان میں کامیابی کے بعد اسلامی نظام نافذ کر رہے ہیں، طالبان کی حمایت کے معاملے میں زیر منقار پر رہیں تو پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالہ سے ان کی سعی اور "کردار" خود بخود مشکوک ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں پاکستان کے ہر مسلمان شہری کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر امارت اسلامی افغانستان کی طالبان حکومت کی زور دار اور باآواز بلند تائید و حمایت کرے، چاہے وہ محض اخلاقی سطح پر ہی کیوں نہ ہو تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ دین دشمنوں پر مکمل فتح حاصل کر سکیں۔

سانحۂ کربلا کا تاریخی پس منظر

"پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا"

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی کتاب سانحۂ کربلا سے ماخوذ

۱۰/ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو ایک نہایت افسوسناک حادثہ دشت کربلا میں پیش آیا' جس میں سبط رسول ﷺ' سیدنا حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما اور آپؓ کے خانوادے کے اکثر افراد نیز آپؓ کے اعوان و انصار کی کثیر تعداد نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس حادثہ فاجعہ کے متعلق یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ یہ اچانک ظہور پذیر ہونے والا حادثہ نہیں تھا بلکہ درحقیقت اسی سبائی سازش کا ایک مظہر تھا جو پورے پچیس سال قبل اس سے بھی کہیں زیادہ افسوسناک حادثے کو جنم دے چکی تھی یعنی نبی اکرم ﷺ کے دوہرے داماد اور تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت۔ (حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سانحہ ۱۸/ ذی الحجہ ۳۶ھ کو پیش آیا تھا)

اولاً ذہن میں یہ بات تازہ کر لیجئے کہ حق و باطل کی جو کشمکش ازل سے چلی آرہی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

اس کے ضمن میں ہمیں تاریخ کا کچھ ایسا نقشہ نظر آتا ہے کہ زیادہ تر غلبہ باطل ہی کا رہا ہے' حق کے غلبے کے ادوار بڑے مختصر رہے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت کبریٰ ہے کہ جب کبھی حق کا غلبہ ہوا ہے تو باطل نے اسے اپنی آخری شکست تسلیم نہیں کیا بلکہ ایسے مواقع پر وہ وقتی طور پر دبک جاتا رہا ہے' اس نے منافقانہ طور پر حق کا لبادہ اوڑھ لیا ہے یا وہ وقتی طور پر زیر زمین چلا گیا ہے۔ چنانچہ وہ اندر ہی اندر اپنی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری رکھتا ہے اور ایسے مواقع کی تاک میں رہتا ہے جب وہ حامیان حق کے درمیان کوئی شدید اختلاف و انتشار پیدا کر کے اپنے لئے راستہ بنا سکے اور حق کے خلاف کھڑا ہو سکے۔

چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ نے تاریخ کا عظیم ترین معجزہ دنیا کو دکھا دیا یعنی جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا نقشہ بالفعل قافلۂ انسانیت کو چشم سر سے دیکھنے کا موقع فراہم فرما دیا اور ایک وسیع و عریض خطۂ زمین پر حق کو بالفعل قائم و نافذ فرما کر دنیا کیلئے ایک کامل نمونہ پیش فرما دیا۔ حق غالب اور باطل سرنگوں ہو گیا' لیکن باطل نے انقلاب محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری مرحلے میں وہی روش اختیار کی کہ وقتی طور پر شکست تسلیم کر کے وہ اس انتظار میں رہا کہ موقع آئے تو میں کاری وار کروں۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کے فوراً بعد فتنوں کا ہجوم اٹھ کھڑا ہوا' کئی کاذب مدعیان نبوت میدان میں آگئے' پھر مانعین و منکرین زکوٰۃ سے سابقہ پیش آیا اور اہل ایمان کو بیک وقت ایسے ایسے عظیم فتنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا کہ وقتی طور پر تو محسوس ہوتا تھا کہ حق کا چراغ اب بجھا کہ بجھا!

یہ درحقیقت وہ انقلاب دشمن قوتیں تھیں جن سے عہدہ برآ ہونے کیلئے واقعتاً صدیق ہی نہیں بلکہ صدیق اکبرؓ کی شخصیت درکار تھی۔ صدیق دراصل نبی کا عکس کامل ہوتا ہے' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ثابت کر دیا کہ جس انقلاب کی تکمیل نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس فرمائی تھی اس کے خلاف آپؐ کی وفات کے بعد جو ردعمل ظاہر ہوا' اس کی سرکوبی کی پوری صلاحیت اور عزیمت اور آہنی قوت ارادی ان کے نحیف و نزار جسم میں موجود تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے نبی اکرم ﷺ کے انقلاب کو مستحکم (Consolidate) کیا اور زمام کار حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے کر کے وہ بھی اپنے مالک حقیقی کی طرف مراجعت فرما گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے بارہ سالہ دور خلافت میں سے بھی کم و بیش دس سال بالکل دور فاروقیؓ ہی کی شان کے حامل تھے۔ یہ بیس سال اسلام کے استحکام اور اس کی توسیع کے سال ہیں۔ انقلاب محمدی ﷺ کے زیر نگیں عراق و شام و فارس (ایران) کے پورے کے پورے ملک اور شمالی افریقہ کا مصر سے مراکش تک کا وسیع علاقہ آگیا اور اس پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور اللہ کا دین غالب و نافذ ہو گیا۔ اب ظاہر بات ہے کہ اس کے خلاف بھی ایک ردعمل ہونا تھا۔ یہ جو تاریخی عمل ہے' اس کے کچھ غیر متبدل اصول ہیں۔ جس نبویؐ انقلاب کی تکمیل اندرون عرب نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس فرمائی تھی' اس کے ردعمل میں مخالفانہ تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ توسیع کا جو مرحلہ آپؐ کے جاں نثاروں کے ہاتھوں انجام پایا' اس کا ردعمل کیوں نہ ہوتا! چنانچہ باطل نے پہلا وار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات پر کیا۔ باطل پرست یہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ پوری عمارت اسی ایک ستون پر کھڑی ہے' اس کو گرا دو تو پوری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ الحمدللہ کہ ان کی توقع غلط ثابت ہوئی اور عمارت برقرار رہی۔ اس سازش کی ناکامی کے بعد جو دوسرا وار ہوا وہ بہت کاری تھا' اس میں یہود کی عیاری اور سازش شامل تھی۔ ان کا سازشی ذہن اور اس میں مہارت ضرب المثل بن چکی ہے۔ عبداللہ بن سبا یمن کا ایک یہودی اسلام کا لبادہ اوڑھتا ہے' مدینہ منورہ میں آکر قیام کرتا ہے اور نئے نئے شگوفے چھوڑنے شروع کر دیتا ہے۔ کہیں محبت آل رسولؐ کے پردے میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے متعلق وسوسہ اندازی کرتا ہے اور کہیں حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت کا پروپیگنڈہ کرتا ہے۔ اس نے ہر طرف ایک فتنہ و فساد کی فضا پیدا کر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری دو سال اس فتنہ و فساد کی نذر ہو گئے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی' جو تاریخ انسانی کی عظیم ترین مظلومانہ شہادت ہے۔ امام وقتؓ یہ عزم کئے ہوئے تھے کہ میں اپنی جان کی حفاظت و مدافعت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اتنی عظیم قوت و سطوت کا حامل اور اس طرح اپنی جان دینے کیلئے آمادہ ہو جائے اور اپنی جان کی حفاظت و مدافعت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کیلئے تیار نہ ہو' واقعہ یہ ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں اس کی کوئی مثال ممکن نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک جید یہودی عالم تھے' وہ آتے ہیں اور باغیوں کو مخاطب کرتے ہیں کہ لوگو! باز آجاؤ۔ میں تورات کا عالم ہوں اور تمہیں بتاتا ہوں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اللہ کے کسی نبی کو قتل کیا گیا ہو اور اس کے بعد کم سے کم ستر ہزار انسان قتل نہ ہوئے ہوں یا کبھی کسی نبی علیہ السلام کے خلیفہ کو قتل کیا گیا ہو' اور اس کے بعد کم از کم ۳۵ ہزار انسانوں کو قتل نہ کیا گیا ہو۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنے کی آگ بھڑکی' اس میں چوراسی ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے پورے پونے پانچ برس باہم خانہ جنگی میں گزرے۔ کہیں جنگ جمل' جنگ صفین اور کہیں جنگ نہروان ہے۔ مسلمان کے ہاتھ میں مسلمان کا گریبان ہے اور مسلمان کی تلوار مسلمان ہی کا خون چاٹ رہی ہے" مسلمان کا نیزہ ہے جو مسلمان کے سینے کے پار ہو رہا ہے اور کیسے کیسے لوگ' حضرت طلحہؓ شہید ہو رہے ہیں' حضرت زبیرؓ شہید ہو رہے ہیں' حضرت عمارؓ بن یاسر شہید ہو رہے ہیں پھر یہ کہ حضرت علیؓ شہید ہو رہے ہیں' حضرت معاویہؓ پر حملہ ہوا لیکن ان پر وار کاری نہ پڑا اور وہ بچ گئے۔ حضرت عمرو ابن العاصؓ پر حملہ ہوا' لیکن وہ اس روز کسی وجہ سے نماز فجر کیلئے آئے نہ تھے' اس لئے ان کے مغالطے میں ان کے قائم مقام شہید ہوئے۔ پھر نہ جانے ان کے علاوہ کیسے کیسے مخلص اور شجاع مسلمان ان جنگوں

میں کھیت رہے۔

حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد کوفہ میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی۔ اب معلوم ہوا کہ نئے سرے سے تصادم کی نوبت آنے والی ہے۔ ادھر حضرت حسنؓ کوفہ سے چالیس ہزار فوج لے کر چلتے ہیں : اِدھر حضرت معاویہؓ دمشق سے ایک بڑی فوج لے کر روانہ ہوتے ہیں۔ مدائن کے آس پاس دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ حضرت حسن ؓ کی فوج کا ہراول دستہ آگے آگے جا رہا تھا' اُس کے متعلق یہ افواہ اُڑ گئی کہ اس کو شکست ہو گئی ہے چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ وہی کوفی جو حضرت حسنؓ کے ساتھ تھے' انہوں نے وہاں وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا کہ بیان سے باہر ہے۔ بغاوت کر دی' خیمے لوٹ لئے' جناب حسن ؓ پر دست درازی کی' آنجنابؓ کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ ان باغی کوفیوں کے ہاتھوں اپنی جان کا خطرہ دیکھ کر آنجنابؓ کو کسریٰ کے محل میں پناہ لینی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت حسن ؓ کو ان کوفیوں کے مزاج کا بخوبی تجربہ ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے مصالح دین کی خاطر وہیں سے حضرت معاویہؓ کو مصالحت کی پیش کش ارسال کر دی جسے حضرت معاویہؓ نے فوراً قبول کر لیا اور اپنی طرف سے ایک سادہ سفید کاغذ پر اپنی مہر لگا کر حضرت حسنؓ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیج دیا کہ جو شرطیں آپ چاہیں لکھ دیں مجھے منظور ہوں گی' جس کو ہم Blank Cheque سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مصالحت ہو گئی اور الحمدللہ تقریباً پانچ سال کے اختلاف' افتراق' انتشار اور باہمی خانہ جنگی کا دروازہ بند ہوا۔ اب پورا عالم اسلام ایک وحدت بن گیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے بیعت خلافت لی۔ اس صلح کے واقعہ پر حضرت حسنؓ نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا کہ ''اگر خلافت ان کا یعنی حضرت معاویہؓ کا حق تھی تو ان تک پہنچ گئی اور اگر میرا حق تھی تو میں نے بھی ان کو سونپ دی جھگڑا ختم ہوا''۔ یہ وہ بات تھی جس کی پیشین گوئی آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی کہ میرے اس بیٹے حضرت حسنؓ کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک وقت میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا۔ یہ خصوصی مقام اور رتبہ جناب حسن ؓ کا ہے ع ''یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!''

حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے یہ بیس سال امن کے سال ہیں' باہمی خانہ جنگی ختم ہو گئی۔ ع ''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا'' کی کیفیت پیدا ہوئی اور دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال کے عمل کا احیاء ہوا' توسیع از سرنو شروع ہوئی' فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ یہ بیس سالہ دور خلافت راشدہ کے بعد امت کی تاریخ میں جتنے بھی ادوار آئے ہیں' ان میں سب سے افضل اور بہتر دور ہے' اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے بعد یزید کی بحیثیت ولی عہد نامزدگی کا دور آتا ہے اور پھر اس کے دور حکومت میں وہ سانحۂ کربلا کا واقعہ جو دردناک بھی ہے اور افسوس ناک بھی اور جس نے بلاشک و شبہ تاریخ اسلام پر بہت ہی ناخوشگوار اثرات چھوڑے ہیں۔ کربلا میں جو کچھ ہوا وہ اس فتنے کی وجہ سے ہوا جو کوفیوں نے بھڑکایا تھا۔ وہ اپنی دو عملی اور منافقت کی پردہ پوشی کیلئے نہیں چاہتے تھے کہ مصالحت و مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو۔ ان کو جب محسوس ہوا کہ ہماری سازش کا بھانڈا پھوٹ جائے گا تو انہوں نے وہ صورت حال پیدا کر دی جو ایک نہایت دردناک اور الم انگیز انجام پر منتج ہوئی۔

یہ سانحۂ فاجعہ انتہائی افسوس ناک تھا' اس سے کون اختلاف کر سکتا ہے' اس نے تاریخ پر جو گہرے اثرات ڈالے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ اس کے کڑوے اور کسیلے پھل کا مزا اُمت چودہ سو سال سے چکھتی چلی آ رہی ہے۔ ان دو واقعات یعنی شہادت حضرت عثمان ؓ اور شہادت حضرت حسین ؓ کی وجہ سے ہمارے درمیان افتراق' انتشار اور اختلاف اور باہمی دست و گریباں ہونے کی جو فضا چلی آ رہی ہے' اس پر ان لوگوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلتے ہیں جنہوں نے اس فتنہ کی بنیاد ڈالی۔

دعائے صحت کی اپیل

ڈیرہ غازی خان کے رفیق جناب عبدالرؤف کی والدہ طویل عرصہ سے سخت بیمار ہیں۔ ان کی صحت یابی کے لئے قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

خاندان کی تشکیل میں والدین کا موثر کردار

(ماخوذ از ماہنامہ ''محجوبہ'' ــــــ تحریر : طاہرہ شرلاک' اخذ و ترجمہ : منزہ یونس)

سماجی اقدار اور مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو ترقی دینے کے لئے اسلام میں خواتین کے کردار کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ کسی قوم کی تہذیب و ثقافت میں اخلاقیات کے اعلیٰ معیار ہی کو ٹھوس بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ خاندان کا ادارہ تہذیب کی تشکیل و تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے جبکہ والدین خاندان کے لئے مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے مرد روزی کماتے ہیں جبکہ ماں ہونے کے ناطے خواتین گھریلو معاملات' بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام و انصرام کرتی ہیں۔

خوشحال اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بچے ہی ملک و قوم کے روشن مستقبل کی ضمانت بن سکتے ہیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے عظیم اور نامور لوگوں کی مائیں بھی عظیم تھیں۔ اسلام کی آمد سے پہلے غیر مہذب دنیا تعلیم و تربیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی' جبکہ مہذب معاشروں میں بھی صرف لڑکوں کی پرورش پر ہی خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو صرف مرد کی جسمانی تسکین کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا جبکہ اسلام نے خواتین کو معاشرہ میں نہ صرف بلند مرتبہ عطا کیا بلکہ خاندان جیسے اہم اور مرکزی ادارہ کی تعمیر و تشکیل کے ضمن میں انہیں مرکزی کردار بھی سونپا۔

خواتین کسی بھی معاشرے کے حقیقی مقام و مرتبہ کو جانچنے کی کسوٹی ہیں۔ خواتین میں بے راہ روی یا راست بازی ہی خاندان اور معاشرے کو صحت مند یا غیر صحت مند بناتی ہے۔ خواتین نہ صرف خاندان کی زندگی میں خوشی و مسرت اور خوشحالی لانے کے گراں قدر فرائض ادا کرتی ہیں بلکہ وہ پورے معاشرے کو صحت مند رکھنے اور اسے کامیاب و مہذب انسانی معاشرہ بنانے میں مردوں کے دوش بدوش بھرپور جدوجہد کرتی ہیں۔ خواتین صنف نازک ہونے کے باوجود اولاد کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں مردوں کی نسبت زیادہ حوصلہ مند ہوتی ہیں۔ اسلام ماں کے رتبہ کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''بچے بنی نوع انسان کے لئے قدرت کا حسین تحفہ ہیں۔ بچوں کے ذہن ہر اچھی یا بری تعلیم سے باآسانی متاثر ہو جاتے ہیں اور وہ اسے فوراً اپنا لیتے ہیں'' بچوں کی تعلیم و تربیت اور ذہنی نشو و نما میں والدین اور اساتذہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

خلیفۂ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکمران طبقہ کے لئے بہترین مشورے!

—— مرتب : فرقان دانش خان ——

حضرت علیؓ کا حکمرانوں کیلئے ہدایت نامہ

خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے مسند خلافت سنبھالی۔ اس وقت نہ صرف دارالخلافہ بلکہ پوری مملکت پر آشوب حالت سے گزر رہی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا' اس نے مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا تھا جس کے باعث حضرت علیؓ کو اپنے پانچ سالہ عہد خلافت میں ایک دن بھی چین نصیب نہ ہوا۔ تاہم نظام خلافت کی بہتری اور رعایا کی بہبود سے آپؓ کبھی بھی غافل نہیں ہوئے' جس کا اندازہ آپؓ کے اس ہدایت نامہ سے لگایا جاسکتا ہے جو آپؓ نے مالک بن حارث اشتر نخعی کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت جاری کیا۔ یہ ہدایات سرکاری آمدنی کی وصولی' دشمنوں سے مقابلہ' عوام کی فلاح و بہبود اور شہروں کو آباد رکھنے کے ضمن میں دی گئی تھیں' جو آج بھی ہمارے حکمرانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اگر ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو نہ صرف کرپشن ختم ہو سکتی ہے بلکہ تمام معاشرتی برائیوں کا قلع قمع بھی کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؓ کے ان احکام کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

اطاعت خداوندی

مالک بن حارث اشتر نخعی کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں' اس کی اطاعت کو مقدم سمجھیں اور جن فرائض کا اللہ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے ان کا اتباع کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس کے دین کی نصرت و حمایت کرے گا اس کو اللہ کی تائید و نصرت اور سرفرازی حاصل ہو گی۔

مخالفت نفس

میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ خواہشات کے غلبہ کے وقت اپنے نفس کی پیروی نہ کرنا' جو کام جائز اور حلال نہیں ان کے کرنے کے لئے خواہ تمہارا دل کتنا ہی بے تاب کیوں نہ ہو اُن سے دور رہنا' ناجائز اور مکروہ کاموں کی خواہش کے وقت نفس کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ اس کی مخالفت کی جائے۔

رعایا سے سلوک

عوام کے ساتھ رحم دلی' محبت اور مہربانی کا رویہ اختیار کرنا' کسی کو معاف کر دینے پر نہ پچھتانا اور سزا دے کر خوشی یا بڑائی محسوس نہ کرنا۔ غصہ سے بچنا' کبھی یہ نہ سوچنا کہ میں حاکم بنایا گیا ہوں اس لئے میرے ہر حکم کے آگے سب کو سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔ ایسی سوچ دل میں خرابی و برائی پیدا کرنے' دین کو کمزور بنانے اور بربادیوں کا سبب بنتی ہے۔ یاد رکھو کہ اگر کوئی اللہ کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو اللہ اپنے مظلوم بندوں کی طرف سے ظالم کا حریف بن جاتا ہے اور جس کا حریف اللہ تعالیٰ ہو وہ اُس کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ اللہ کی نعمتوں کو سلب کرنے اور اس کی سزا کا حقدار بنانے والی سب سے بڑی چیز ظلم ہے۔ عوام اپنے حاکم کے بارے میں حسن ظن سے اسی وقت کام لیتے ہیں جب حاکم عوام کے ساتھ حسن سلوک سے کام لے۔ اُنکے مسائل حل کرے اور ایسے احکامات صادر نہ کرے جو ان کے بس سے باہر ہوں۔ اس اصول پر اگر تم نے عمل کیا تو تمہیں عوام کا پورا پورا اعتماد حاصل ہو سکے گا' جو تمہیں بہت سی الجھنوں اور مشکلات سے بچائے گا۔ عوام کی فلاح اور بھلائی کے لئے جو طریقے امت کے بزرگوں نے اختیار کئے تھے انہیں کبھی ختم نہ کرنا' علاقے کی اصلاح و تعمیر اور بہبود کیلئے اگلے جو اقدامات کرتے رہے ہیں اُنکے بارے میں علماء و دانشوروں سے رہنمائی لیتے رہنا۔

وزیروں اور مشیروں کا انتخاب

حاکم کیلئے سب سے زیادہ ناپسند شخص وہ ہونا چاہئے جو لوگوں کی عیب جوئی میں لگا رہتا ہو۔ حاکم کا کام ہے کہ جہاں تک ہو سکے ظاہری عیوب کو مٹائے' کسی کے خلاف بغض و کینہ دل میں نہ رکھے اور عداوت و غیبت کی حوصلہ شکنی کرے۔ اپنے مشوروں میں بخیل اور کنجوس کو شریک نہ کرنا' وہ تمہیں احسان اور بھلائی سے نہ صرف روکے گا بلکہ فقر و تنگ دستی سے ڈرائے گا۔ بزدل سے مشورہ نہ لینا کہ وہ تمہاری ہمت پست کر دے گا۔ لالچی آدمی سے بھی مشورہ نہ لینا کہ وہ تمہیں مال سمیٹنے کے لئے ظلم کی راہ دکھائے گا۔ اگرچہ بخل و بزدلی اور لالچ مختلف خصلتیں ہیں مگر ان سب کی مشترکہ بنیاد اللہ سے بدگمانی ہے۔

ایسے لوگوں کو اپنا وزیر نہ بنانا جو شریروں کا ساتھی رہ چکا ہو بلکہ ان لوگوں کو اپنا مددگار مقرر کرنا جنہوں نے نہ کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی ہو' نہ کسی گناہگار کا گناہوں میں ساتھ دیا ہو' جو عقل و تدبر والے ہوں' جو تم میں سے حق بات کھل کر کہہ سکتے ہوں اور ان کاموں میں تمہارا ساتھ دینے سے انکار کر سکتے ہو جو خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں۔ پرہیزگار اور سچے لوگوں کو اپنا مصاحب بنانا اور انہیں اپنی جھوٹی تعریف نہ کرنے دینا' کیونکہ زیادہ مدح سرائی غرور و سرکشی پیدا کرتی ہے۔ نیک اور بدکردار لوگوں کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکنا ورنہ نیکوکاروں کی ہمت پست ہو جائے گی اور بدکردار دلیر ہو جائیں گے۔ سب سے زیادہ ناقابل اعتبار وہ لوگ ہیں جو آزمائش کے وقت بودے ثابت ہوئے ہوں۔

فوج

ملک میں لوگوں کے کئی طبقات ہوتے ہیں۔ پہلا طبقہ فوجیوں کا ہے۔ فوج کا سربراہ اسی کو بنانا جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے امیر کا سب سے زیادہ خیر خواہ 'پاکباز' بردبار' رحم دل اور بہادر ہو۔ فوجیوں کی دیکھ بھال اس طرح کرنا' جیسے والدین اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

پولیس

ملک میں عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے پولیس اور انتظامیہ میں ایسے لوگوں کو منتخب کرنا جو سب سے زیادہ افضل ہوں اور کام کی زیادتی سے گھبرا نہ جاتے ہوں۔ پولیس اور انتظامیہ میں جھگڑالو لوگوں کے رویہ سے جلد غصہ میں نہ آجاتے ہوں۔ اپنے موقف کے غلط ثابت ہو جانے کے باوجود اس پر اڑے نہ رہتے ہوں بلکہ فوراً حق قبول کر لیتے ہوں' لالچی نہ ہوں۔

جج اور قاضی

قاضیوں کو اس قدر معاوضہ دو کہ وہ لوگوں سے مستغنی ہو جائیں۔ تمہارے ہاں ان کا مرتبہ اتنا بلند ہو کہ تمہارے قریبی افراد بھی ان پر دباؤ ڈالنے یا انہیں نقصان پہنچانے کی ہمت نہ کر سکیں۔

سرکاری اہلکار

خوب چھان پھٹک کئے بغیر کسی کو بھی سرکاری عہدہ نہ دینا' سرکاری ملازمین کو اچھی تنخواہیں دینا' اس طرح یہ لوگ سرکاری مال میں خیانت نہیں کریں گے۔ اس کے بعد بھی کوئی خیانت کا مرتکب ہو تو ایسے افسروں اور اہلکاروں کو سخت جسمانی سزا دینا' ہیرا پھیری سے حاصل کیا

ہوا مال بھی واپس لینا اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا کہ ذلت و رسوائی اور بدنامی اس کا مقدر بن جائے۔

ٹیکسوں کا نظام

ٹیکسوں کی وصولی کے لئے محکموں کی نگرانی میں کوتاہی نہ کرنا' ٹیکس دہندگان سے ٹیکس کی ٹھیک ٹھیک وصولی ہی میں سب کی بھلائی اور خوشحالی ہے۔ ٹیکس کی وصولی سے زیادہ اہم بات عوام کی خوشحالی ہے۔ عوام خوشحال ہوں گے تو ٹیکس کی رقم خود بخود زیادہ ہو جائے گی' جو حکمران عوام کی خوشحالی نہیں بلکہ ٹیکس میں اضافہ چاہتا ہو اس کی حکومت چند روزہ ہی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کسان ٹیکس کی زیادتی یا کسی ناگہانی آفت کے باعث فصلوں کے خراب ہونے کی شکایت کریں تو ٹیکسوں میں کمی کر دینا تاکہ ان کی حالت بہتر ہو' اس کمی کو ناگوار نہ جاننا کیونکہ کاشتکار قومی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ اس انصاف کی وجہ سے وہ وفادار رہیں گے اور کسی وقت تمہیں ان سے کچھ قربانی دینے کا مطالبہ کرنا پڑے تو وہ تمہارے پچھلے رویئے کی بنا پر خوشی سے سختی جھیل لیں گے۔ لوگ تنگ دست اس لئے ہو جاتے ہیں کہ حکمران مال و دولت سمیٹنے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہیں اقتدار کے ختم ہو جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے' حالانکہ اگر وہ ظلم کی راہ نہ اپنائیں تو ان کے اقتدار کو خطرہ ہی کیوں ہو لیکن وہ تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرنا چاہتے۔

تاجر اور صنعت کار

تاجروں اور صنعت کاروں کا پورا پورا خیال رکھا جائے اور اپنے ماتحت افراد کو بھی ان کی خبر گیری کی ہدایت کرنا تاکہ صنعت و تجارت میں خاطر خواہ ترقی ہو سکے۔ اہل صنعت و تجارت امن پسند اور صلح جو ہوتے ہیں' ان خوبیوں کی بنا پر ان کی خبر گیری کی جائے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ لوگ تنگ نظر' کنجوس اور لالچی ہوتے ہیں۔ یہ ذخیرہ اندوزی کر کے مال کی قیمت بڑھا دینا چاہتے ہیں' جس سے عوام کو تکلیف اور حکمران کی بدنامی ہوتی ہے۔ ان کو ذخیرہ اندوزی سے باز رہنے کی تلقین کرنا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح ناپ تول اور نرخ کی بھی نگرانی رکھنا۔ تاکہ نہ بیچنے والے کو نقصان ہو' نہ خریدار کو۔

محتاج و بے کس افراد

محتاج' معذور' غرباء و مساکین کے معاملے میں ہمیشہ خدا خوفی سے کام لینا' بیت المال کا ایک حصہ ان کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دینا۔ ان کے معاملات میں اتنی ہی دلچسپی لینا جتنی کہ کوئی اپنے ذاتی مسائل میں لیتا ہے۔ رعایا میں سب سے زیادہ انصاف کے محتاج یہی ہیں' ان سے اس

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

نعیم اختر عدنان

☆ اسلامی انقلاب کے لئے سب کو ساتھ لے کر چلیں گے (قاضی حسین احمد)

✪ کیا نواز شریف اور بے نظیر کو بھی؟

☆ بے نظیر کے سیاسی میدان میں دو چہرے ہیں (وفاقی وزیر اطلاعات سید مشاہد حسین)

✪ "ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ"

☆ بیوروکریسی نے خدمت کمیٹیوں سے تعاون کیا تو کرپشن ختم ہو جائے گی۔ (ایک خبر)

✪ کیا بیوروکریسی کی مت ماری گئی ہے کہ وہ "ایسا" کام کرے!

☆ حکومت ملک میں شریعت نافذ کرنا چاہتی ہے (صدر رفیق تارڑ)

✪ "لیکن ارکان پارلیمنٹ اور وزیر اعظم نہیں مانتے"

☆ وزیر بن رہا ہوں یا نہیں' لاہور آ کر بتاؤں گا (اعجاز الحق)

✪ لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے

☆ ملکی مفاد کے خلاف کسی کو کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے (نواز شریف)

✪ اس "قومی کھیل" پر صرف حکومت وقت ہی کو اجارہ داری حاصل ہے

☆ کالا باغ ڈیم ملکی مفاد میں ہے تو "چشم ما روشن دل ما شاد" (اے این پی کے رہنما غلام احمد بلور)

✪ بلور صاحب! ملکی مفاد سے آپ کی مراد کہیں "اے این پی" تو نہیں۔

☆ بھارتی فوج انتہائی "کرپٹ" ہے (کشمیر کے کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ کا بیان)

✪ "بالکل میری طرح"

☆ حکومت کا جانا ٹھہر گیا ہے (طاہر القادری)

✪ "...... صبح جائے یا شام"

☆ پاکستان میں جمہوریت ٹھیک چل رہی ہے (امریکی رپورٹ)

✪ مستند ہے "امریکہ بہادر" کا فرمایا ہوا۔

☆ حکومت کے پاس الہ دین کا چراغ نہیں کہ ایک ہی رات میں خزانہ بھر دے (ذوالفقار کھوسہ)

✪ "سرکاری جنوں" کی موجودگی میں "الہ دین" بے چارہ کیا کر سکتا ہے؟

☆ ایم اے پاس نوجوان نے بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ (ایک خبر)

✪ ...... "مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے"؟

☆ پاکستان میں ان لوگوں کو اقتدار ملا ہے جو فراخدلانہ اسلام پر یقین رکھتے ہیں۔ (نواز شریف)

✪ "فراخدلانہ اسلام" اِک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

☆ حکومت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہے (پیپلز پارٹی کے رہنما راؤ سکندر کا بیان)

✪ بالکل پیپلز پارٹی ہی کی طرح۔

☆ لاہور کے چڑیا گھر کی شیرنی کا نومولود شیروں کو دودھ پلانے سے انکار۔ (ایک خبر)

✪ یہ شیرنی بھی غالباً ترقی پسند خواتین کلب کی رکن لگتی ہے!

☆ امریکہ نے اقوام متحدہ کو یرغمال بنا رکھا ہے (عراق)

✪ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے سنہری اصول کا مظہر ہی تو ہے۔

کوفہ

تاریخ کے آئینے میں

——— مرتب : حافظ محبوب احمد ———

اسلامی تاریخ عروج و زوال کے اپنے اندر جہاں بے شمار رنگ سموئے ہوئے ہے' وہیں ہمیں بے شمار تاریخی اہمیت کے حامل بغداد' کوفہ' دمشق' مکہ' مدینہ' قسطنطنیہ' قرطبہ' غرناطہ' فسطاط اور بصرہ جیسے شہر بھی نظر آتے ہیں جو اپنے دور عروج و زوال میں ہنگامہ آرائیوں کے باعث نمایاں رہے۔ ان شہروں میں عجیب و غریب تاریخی اہمیت کا حامل شہر کوفہ بھی ہے جس نے اپنے عروج و زوال کا سفر نہایت ہنگامہ خیز انداز میں طے کیا۔

کوفہ قرون اولیٰ کی اسلامی تاریخ کا عظیم الشان مرکز رہا ہے۔ پہلی اور دوسری صدی میں یہ شہر مرکز خلافت کے خلاف سیاسی تحریکوں کا منبع رہا ہے اور اس نے تاریخ کے ان گنت انقلاب دیکھے ہیں۔ کبھی اہل کوفہ نے نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور نواسۂ صدیق اکبر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ہستیوں سے غداری کی اور وفاداری کی تو مختار بن عبید ثقفی جیسے طالع آزماؤں سے۔ ہمیشہ جذبات کے ہاتھوں مغلوب رہنے والے اہل کوفہ نے تاریخ میں بہت سے رنگ بکھیرے اور بے شمار داستانیں رقم کیں۔

کوفہ کی تاریخ

مورخین کی رائے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے ۱۷ / ہجری میں کوفہ کی بنیاد رکھی۔ عربی لفظ کوفہ کے معنی ہیں "ریت کا گول ٹیلا"۔ لہٰذا اس نام سے پتہ چلتا ہے کہ شہر کا قدیم ترین حصہ اسی نوع کی بلندی پر بسایا گیا ہو گا' اس کی کچھ اور توجیہات بھی بیان کی جاتی ہیں۔

عرب جغرافیہ دانوں کے مطابق کوفہ دریائے فرات کے کنارے ایک وسیع میدان کے بہت بڑے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور اس کا محل وقوع صحت افزا سمجھا جاتا تھا۔ قرب و جوار کے علاقے کی اہم پیداوار کھجور' نیشکر اور کپاس تھی۔ جوں جوں عرب مشرق کی جانب بڑھتے گئے' کوفہ کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ وہاں کے سپہ سالار عساکر کو امیر المومنین کے سیاسی نمائندے کی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور وہی نظم و نسق کا ذمہ دار ہوتا۔ عربوں اور ایرانیوں کے نزدیک کوفہ کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی۔

یوں یہاں کی آبادی بھی بڑی تیزی سے بڑھنے لگی۔ عرب سپاہیوں کے علاوہ سوداگروں' کاریگروں اور دوسرے مزدوری پیشہ خاندان جو بیشتر ایرانی النسل تھے' یہاں بڑی تعداد میں آباد ہو گئے۔ ابتداء میں یہ چھاؤنی محض خیموں اور قدیم وضع قطع کی سکونت گاہوں پر مشتمل تھی۔ ایک مسجد اور چند دوسری سرکاری عمارتیں تھیں' مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہاں فوجی پڑاؤ مستقل ہو گیا اور کچے گھر بن گئے۔ بالآخر زیاد بن امیہ کے عہد میں ایک باقاعدہ شہر خشتی مکانوں سے تعمیر کیا گیا۔

کوفہ کے باشندے

کوفہ کے کچھ باشندے تو مختلف عرب قبائل کے افراد تھے' خصوصاً جنوبی عرب کے بدوی اور کچھ ایرانی عناصر تھے' ان کی عسکری قابلیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اہل کوفہ کو اپنی بہترین ذہنی صلاحیتوں اور کارناموں کے باعث' جو انہوں نے علوم و فنون کے میدان میں سرانجام دیئے' ایک خاص امتیاز حاصل ہے' لیکن ساتھ ہی

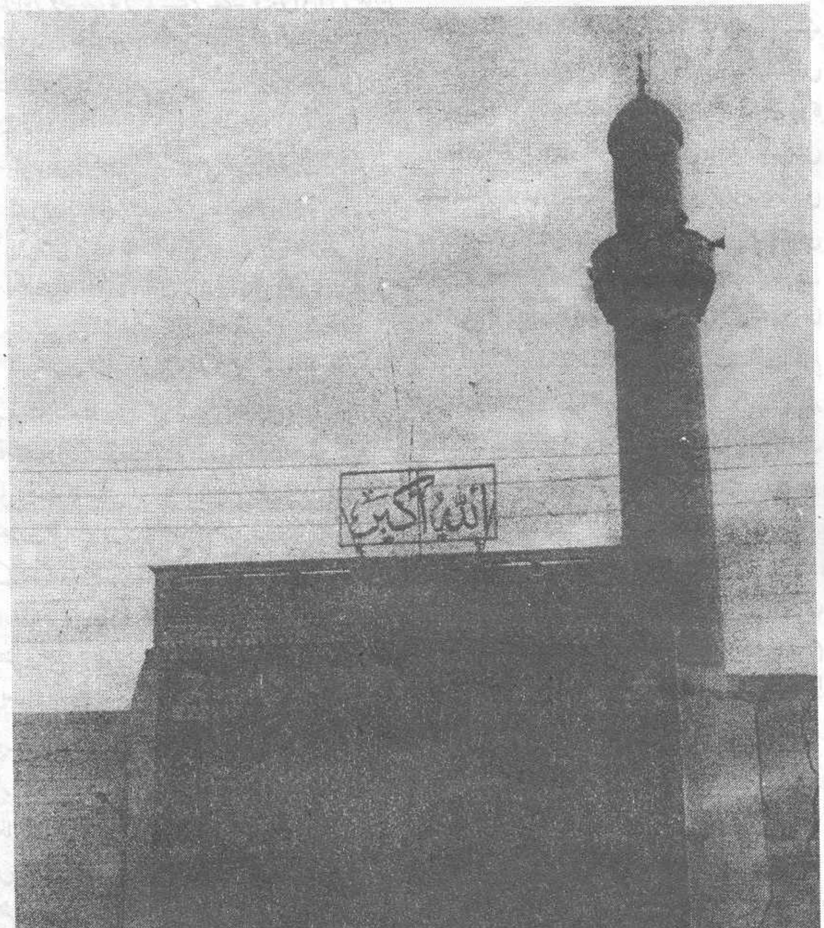

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سجدوں کی گواہ : جامع مسجد کوفہ

ساتھ کردار کے اعتبار سے وہ متلون مزاج اور ناقابل اعتبار تھے۔ یہی چیز آگے چل کر سیاسی لحاظ سے انتہائی مہلک ثابت ہوئی اور بڑی حد تک ان خانہ جنگیوں کا سبب بنی جو اسلامی خلافت کے خوش آئند ارتقاء میں سد راہ بن گئیں۔

کوفہ اور دورِ خلافت

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ جن کی وجہ سے یہ شہر عالم وجود میں آیا تھا' کوفیوں کی سرکشی سے ناخوش تھے۔ یہ لوگ کبھی مطمئن نہیں ہوتے تھے اور خلیفہ کے مقرر کردہ عامل کی ہر وقت کوئی نہ کوئی شکایت کرتے رہتے تھے۔ جب بھی حضرت عمرؓ ان کی خواہشات کی پذیرائی کرتے' ان کے مطالبات زیادہ ناقابل برداشت ہو جاتے' حتیٰ کہ اپنے عہد خلافت کے آخری چھ سالوں میں انہیں تین بار کوفہ کے عامل بدلنے پڑے۔ کوفیوں کی اس متلون مزاجی سے خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ بھی اُن سے تنگ آ گئے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپؓ نے سخت برہم ہو کر آپؓ نے فرمایا :

"پناہ بخدا! کوفہ کے لوگ بھی عجیب و غریب ہیں اگر میں ان پر کوئی مضبوط آدمی حاکم بناتا ہوں تو یہ لوگ اس میں کیڑے نکالنا شروع کر دیتے ہیں' اور اگر کسی کمزور کو حاکم بناتا ہوں تو یہ اس کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں"۔

حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں جو سازش خفیہ طور پر مدت سے ہو رہی تھی جب ۳۴ھ میں جب یہ سازش آشکار ہوئی تو سب سے پہلے کوفیوں ہی نے حضرت علیؓ کی بیعت کا اعلان کیا۔ ۳۶ھ میں جنگ جمل ہوئی اور حضرت علیؓ اپنے مخالفین کی متحدہ فوجوں پر غالب آنے کے بعد کوفہ چلے گئے تو یوں معلوم ہونے لگا کہ یہی شہر اب دارالخلافہ بن جائے گا لیکن جب صفین کے میدان میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا مقابلہ ہوا تو کوفی' شامیوں سے مات کھا گئے۔ حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوتے ہوتے رہ گئی' کیونکہ عین اِس وقت جب آپ کی گرفت مضبوط تھی اور آپ نے تحکیم پر رضامندی کا اعلان فرما دیا تھا تو خوارج آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کو دھوکے سے شہید کر دیا گیا تو کوفی حضرت معاویہؓ کو امیرالمومنین تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

کوفہ خلافت معاویہؓ میں

حضرت معاویہؓ کے دور میں زیاد بن ابی سفیان بصرہ و کوفہ کا عامل تھا۔ اس اولوالعزم عامل کے بعد اس کا بیٹا عبیداللہ ابن زیاد عامل بصرہ مقرر ہوا جسے یزید نے حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد کوفہ کا امیر بھی بنا دیا تھا۔ ان دونوں نے بڑے تدبر سے فتنہ پرور کوفیوں کو قابو میں کئے رکھا۔ جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے بہت سے کوفی پیروؤں کی التجا قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور مکہ مکرمہ سے کوفہ روانہ ہوئے' تو عبیداللہ ابن زیاد کے سخت اقدامات کی وجہ سے کوفیوں کے باغیانہ رجحانات آسانی سے دبا دیئے گئے۔ محرم ۶۱ھ میں حضرت حسینؓ نے کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔ دوسرے اُموی خلیفہ یزید الاول کی موت کے بعد ایک بار پھر خانہ جنگی ہوئی چونکہ حضرت علیؓ کے چھوٹے بیٹے حضرت محمد بن الحنفیہ کوفہ کی شیعی جماعت کی قیادت قبول کرنے پر تیار نہیں تھے' اس لئے کوفیوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کر لی۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ کی خلافت کا اعلان سارے حجاز میں ہو چکا تھا اور کئی برس تک اُموی حکمران مروان اور ان کے بیٹے عبدالملک کے ساتھ خلافت کے بارے میں ان کا جھگڑا چلتا رہا۔ ۶۶ ہجری میں ایک بے باک طالع آزما مختار بن ابی عبید ثقفی کوفہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا' چنانچہ اب ایک مستقل دہشت انگیزی کا دور دورہ شروع ہوا جو تقریباً ڈیڑھ سال جاری رہا۔ یہاں تک کہ عرب آبادی نے مصعب بن زبیرؓ سے مدد کی درخواست کی جنہیں ان کے مدعی خلافت بھائی عبداللہ بن زبیرؓ نے بصرہ کا عامل مقرر کیا ہوا تھا۔ کوفہ کے نزدیک ۶۷ ہجری میں جنگ حروراء ہوئی جس میں مختار شکست کھا کر مارا گیا۔ حضرت مصعبؓ نے باغیوں سے سخت انتقام لیا۔ ۷۲ھ میں جب حضرت مصعبؓ اُمویوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو اہل کوفہ کو سراطاعت خم کرنا پڑا اور خلیفہ عبدالملک بلامزاحمت شہر میں داخل ہو گئے۔

حجاج بن یوسف کا دور

۷۵ سے ۹۵ ہجری تک پورے عراق کا نظم و نسق حجاج بن یوسف کے مضبوط ہاتھوں میں رہا۔ اس نے ہر قسم کی مخالفت کو ختم کرنے کے لئے "واسط" میں ایک نیا دارالحکومت قائم کیا جہاں سے وہ کوفہ اور بصرہ دونوں کو قابو میں رکھ سکتا تھا۔ خالد بن عبداللہ القنسری کے دور میں امن و آسودگی کا دور دورہ رہا لیکن ۱۲۷ ہجری میں خوارج نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ انہیں نکال باہر کرنے میں خلیفہ مروان ثانی کی فوجوں کو دو برس لگ گئے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد بنو عباس میدان میں آ گئے۔ خراسان کے اُموی عامل نصر بن سیار کو شکست ہوئی اور ۱۳۲ھ میں کوفہ کے اندر وہ بغاوت پھوٹ پڑی جس کی ایک مدت سے تیاری ہو رہی تھی۔ عباسیوں کو شہر پر قبضہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

کوفہ اور بصرہ کا موازنہ

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان کی مجلس میں کوفہ و بصرہ کے درمیان موازنہ کا مسئلہ زیر بحث آیا تو حجاج بن یوسف نے کہا کہ امیرالمومنین! مجھے دونوں شہروں کا اچھی طرح علم ہے۔ عبدالملک نے کہا کہ "پھر ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ دونوں شہروں میں کیا فرق ہے؟ اس پر حجاج نے یہ مشہور فقرہ کہا کہ

أما الكوفةَ فبكرٌ عاطل لاحلى لها ولا زينة ' و اما البصرة فعجوز شمطاء بخراء ذفراء او تيت من كل حلي وزينة

"کوفہ تو ایک ایسی دوشیزہ ہے جس پر نہ کوئی زیور ہے' نہ سنگھار' لیکن بصرہ ایک ایسی بڑھیا ہے جس کے بال کھچڑی ہیں' منہ اور بغلوں سے بو آتی ہے' مگر ہر طرح کے زیور اور سنگھار سے آراستہ ہے"۔

عباسی دورِ خلافت

جب خلیفہ المنصور نے نئے دارالخلافت بغداد کی بنیاد رکھی تو کوفہ کی اہمیت رفتہ رفتہ ختم ہوتی چلی گئی۔ اگرچہ کافی عرصہ تک کوفہ کو خاصی بڑی چھاؤنی کی حیثیت حاصل رہی اور علمی مرکز ہونے کی شہرت بھی اسے حاصل تھی۔ کوفہ کو یہ شہرت دوسری صدی ہجری کے نصف اول ہی میں حاصل ہو چکی تھی اور انہوں نے اسے پانچویں صدی ہجری تک قائم رکھا' مگر سیاسی حالات میں تبدیلی کے باوجود کوفیوں کے دلوں میں علویوں کی ہمدردی اور باغیانہ رجحانات میں کمی نہ آئی۔ چنانچہ ۱۹۹ھ میں حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ایک شخص محمد بن ابراہیم جو ابن طباطبا کے نام سے بھی مشہور ہے' کوفہ میں نمودار ہوا اور اپنا دعویٰ خلافت تسلیم کرانے کی کوشش کی۔ والیٔ کوفہ کو شہر سے باہر نکال دیا گیا اور بہت سے معتقد مدعی خلافت کے گرد جمع ہو گئے۔ اگرچہ اس کا انتقال اسی سال ہو گیا مگر یہ خطرناک بغاوت بڑی کوششوں سے فرو ہو سکی۔ مستعین باللہ کے عہد میں علویوں نے ایک بار پھر کوفہ میں اختلال پیدا کیا۔ ۲۵۰ھ میں یحییٰ بن عمر العلوی نے ہر قسم کے اراذل و انفار کو ساتھ لے کر حکومت کے خلاف بغاوت برپا کر دی' عامل کو فرار ہونا پڑا اور بغاوت بڑی تیزی سے پھیل گئی۔ تاہم بہت جلد امن و امان ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد اس شہر میں جو ہمیشہ سے شورش پسند چلا آ رہا تھا ایک اور علوی نے حکومت قائم کر لی' مگر اس کا عہد بھی قلیل المیعاد ثابت ہوا۔

کوفہ کا زوال

۲۵۶ھ میں علی بن زید نے کہ وہ بھی اسی طرح آل علی میں تھا' کوفہ میں خلافت کا دعویٰ کیا اور عامل کو نکال دیا۔ بعد ازاں اُس نے شاہی افواج کے سپہ سالار الشاہ بن میکال کو شکست فاش دی جو اسے کچلنے کے لئے بھیجا گیا تھا

لیکن جب نئی فوج نے پیش قدمی کی تو اسے کوفہ خالی کرنا پڑا۔ جب قرامطہ نے مغربی عراق اور شام کو تاخت و تاراج کیا تو کوفہ بھی نہ بچ سکا۔ ۲۹۳ھ میں یہ لوگ شہر میں داخل ہوئے اور پھر ۳۱۲ھ میں قرامطہ کے مشہور قائد ابو طاہر نے فتح کر کے اسے تاراج کر دیا۔ اسی طرح ۳۱۵ھ میں بھی وہ غارت ہوا۔ چوتھی صدی میں تیزی کے ساتھ خلافت کے انحطاط سے کوفہ پر بھی زوال آیا۔

اگرچہ آل بویہ نے جو ۳۳۴ھ میں دار الخلافت بغداد پر قابض ہونے کی وجہ سے سیاسی اقتدار حاصل کر چکے تھے' شیعہ ہونے کے باعث کوفہ یا یوں کہنا چاہئے کہ اس کی نواحی آبادی نجف کی بہبود میں خاص دلچسپی لی۔ ۳۷۵ھ میں قرامطہ نے ایک بار پھر کوفہ پر قبضہ کر لیا اور گیارہ برس بعد بہاء الدولہ نے دوسرے مقامات کے ساتھ اسے بھی بطور جاگیر المقلد بن المسیب کو عطا کر دیا۔ بعد ازاں یہ بنو مزید کے قبضے میں آیا لیکن جب ان لوگوں نے ۴۹۵ھ میں اس کے شمال میں اپنا نیا دار الحکومت "حلہ" تعمیر کر لیا اور تیزی کے ساتھ وہاں رونق بڑھنے لگی تو پرانا دار الحکومت رفتہ رفتہ ہر قسم کی اہمیت سے محروم ہوتا چلا گیا۔

حموی نے لکھا ہے کہ کوفہ اپنے عہد عروج میں سولہ میل کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اس میں ستر ہزار مکانات تھے۔

جامع کوفہ اور دار الامارۃ

اب تمدنی حیثیت سے اس شہر کا کوئی خاص مقام نہیں۔ رقبہ اور آبادی دونوں کے اعتبار سے یہ ایک چھوٹا سا قصبہ معلوم ہوتا ہے۔ تاہم جامع کوفہ اب بھی اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ اچھی حالت میں موجود ہے جو دنیا کی قدیم ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ آج بھی انسان اس میں داخل ہو کر اس کی غیر معمولی وسعت کا تاثر لئے بغیر نہیں رہتا۔ اس کے چاروں طرف فصیل نما مستحکم دیوار ہے جس پر قدامت کے آثار نمایاں ہیں اور اس کے اندرونی جانب بیسیوں حجرے بنے ہوئے ہیں جن کے دروازے مسجد کے صحن میں کھلتے ہیں۔ یہ حجرے کسی زمانے میں طالبان علم کا مستقر تھے اور ان میں مسافر طلبہ مقیم رہتے تھے۔

جامع کوفہ کی تاریخی اہمیت ناقابل انکار ہے کہ وہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدیم ترین مسجد ہے جہاں حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت علی' حضرات حسنین' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن ابی اوفی' حضرت عبداللہ بن الحارث' حضرت سلمان فارسی' حضرت مغیرہ بن شعبہ اور نہ جانے کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نمازیں پڑھی ہیں۔ عرب کے نہ جانے کتنے نامور خطیب خطبہ دیتے رہے ہیں پھر یہ مسجد یکتائے روزگار محدثین و فقہاء کا مرکز بنی رہی ہے۔

دوسری عمارت جس کے کھنڈرات ہمیں کوفہ میں نظر آتے ہیں۔ وہ جامع کوفہ کے جنوبی سرے پر دیوار قبلہ کے ساتھ ساتھ ایک قلعہ نما عمارت ہے یہ کوفہ کا دار الامارہ تھا۔ پہلی صدی ہجری میں یہ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا میدان بنا رہا۔ عبدالملک بن عمیر لیثی نے اس دار الامارۃ کے بارے میں ایک عبرت آمیز واقعہ بیان کیا ہے :

"ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان اس دار الامارۃ میں ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے' میں نے ان سے کہا کہ میں نے اس امارت میں سب سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا' پھر اسی قصر میں عبیداللہ بن زیاد کا کٹا ہوا سر مختار بن عبید ثقفی کے سامنے دیکھا' پھر اسی قصر میں مختار کا کٹا ہوا سر مصعب کے سامنے دیکھا' پھر اسی جگہ مصعب بن زبیر کا کٹا ہوا سر آپ کے سامنے دیکھا"۔

عبدالملک پر یہ سن کر خوف طاری ہو گیا اور وہ یہاں سے منتقل ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

یہ کبھی عبیداللہ ابن زیاد اور کبھی مختار ثقفی کا مرکز بنا تو کبھی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نواسہ صدیق اکبر کا مسکن رہا مگر اب یہ ایک ویران کھنڈر کی مانند نظر آتا ہے جو تاریخ کی کئی ان کہی داستانوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے خاموش ہے۔

تاریخ کے مطالعے سے سرزمین کوفہ اور اہل کوفہ کی نسبت قلب و ذہن میں عجیب عجیب قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور کوفہ روئے زمین کی ایک عجیب محیر العقول بستی نظر آنے لگتی ہے۔ اس شہر کی آبادی میں چونکہ فوجیوں کا بڑا عنصر شامل تھا اور علم و تعلّم' درس و تدریس اور تہذیب اخلاق و تہذیب نفس کے سامان بہت ہی کم تھے لہٰذا مجموعی طور پر شہر کا مزاج متلون اور اخلاقی حالت متغیر رہی۔ ظاہر ہے کہ ایسی بستی میں علوم و معقولات اور فہم و تدبر کو تلاش نہیں کیا جا سکتا' لیکن جذبات سے خوب کام لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اہل کوفہ ہمیشہ جذبات کے محکوم و مغلوب رہے اور انہوں نے جو کچھ کیا' جذبات سے مغلوب و متاثر ہو کر ہی کیا۔ یہی وجہ تھی کہ جس شخص نے ان کو مشتعل کرنا چاہا' مشتعل کر دیا جس شخص نے ان کو رضامند کرنا چاہا وہ رضامند ہو گئے' جب کبھی ان کو ڈرایا گیا تو ڈر گئے' جب کبھی ان کو کسی کا مخالف بنایا گیا وہ فوراً مخالفت پر آمادہ ہو گئے' جب اُن کو بہادر بنایا گیا وہ بہادر ہو گئے' جب اُن کو بے وفائی پر آمادہ کیا گیا وہ بے وفا بن گئے اور جب وفاداری یاد دلائی تو وہ وفاداری کی شرائط پورا کرنے لگے۔

اہل کوفہ نے ہی عبداللہ بن سبا کی حمایت اور خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حصہ لیا۔ اہل کوفہ نے ہی خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب سے جنگ جمل میں حصہ لیا اور پھر کوفیوں نے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ صفین میں نافرمانی کی اور ان کو آزار پہنچایا۔ پھر اہل کوفہ ہی خلافت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے آمادہ ہوئے۔ اہل کوفہ ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنے اور انہوں نے ہی بڑی بے دردی سے کربلا کے میدان میں ان کو قتل کرایا۔ اس کے بعد اہل کوفہ ہی نے خون حسین رضی اللہ عنہ کا معاوضہ لینے پر سب سے بڑھ کر آمادگی و استادگی اختیار کی اور حیرت انگیز طور پر اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا۔ پھر اہل کوفہ ہی تھے جنہوں نے اہل بیت کے سب سے بڑے حامی مختار بن عبیدہ ثقفی کے خلاف کوشش کی اور نواسہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر حملہ آور کروا کر مختار کو قتل کرایا۔ اس کے بعد اہل کوفہ ہی تھے جو مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کا باعث ہوئے۔ اہل کوفہ نے اپنی انتہائی شجاعت اور حیرت انگیز بہادری کے جوہر بھی دکھائے اور ساتھ ہی ان کی انتہائی بزدلی و نامردی کے واقعات کا بھی تذکرہ ہو چکا ہے۔ کبھی انہوں نے اپنے آپ کو نہایت بے جگری کے ساتھ قتل کرایا اور کوفہ کے حکمرانوں کی علی الاعلان مخالفت کی۔ لیکن کبھی اس طرح مرعوب و خوفزدہ ہوئے کہ عبیداللہ بن زیاد جیسے امرائے کوفہ کے ہر ایک جابرانہ حکم کی تعمیل بلا چون و چرا کرنے لگے۔

کوفہ کے اندر جذبات تھے' دماغ نہ تھا' جوش تھا مگر عقل نہ تھی' خروش تھا مگر غور و فکر کا سکون نہ تھا۔ ایسی حالت میں کوفہ سے انہی باتوں کی توقع ہو سکتی تھی جو ظہور مین آئیں۔ اگرچہ صدیوں کے تسلسل نے اِس متلون مزاجی کو کم تو کیا لیکن کوفہ اپنے زوال تک اپنی اِس متلون مزاجی کو نہ صرف دور نہ کر سکا بلکہ تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔

بقیہ : کرنسی کا بحران

حالانکہ انسانیت کی جڑ بنیاد ہی یہ ہے کہ غریب اور بے کس عوام کی داد رسی کی جائے۔ عدل کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ بے کس اور مفلس کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کا رویہ اپنایا جائے نہ کہ اس کے پاس اگر کوئی جمع پونجی ہے تو اس سے بھی اسے محروم کر دیا جائے۔ اللہ نے جتنے پیغامبر مبعوث فرمائے سب نے عدل کی تاکید کی۔ قرآن مجید میں صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں اور کتاب کے ساتھ میزان دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے تاکہ وہ نظام عدل کو دنیا میں قائم کریں"۔ لیکن ہم ہیں کہ ظلم اور استحصال کے ذریعے دنیا میں امن اور خوشحالی لانے کے دعوے کر رہے ہیں!!

"قول و عمل کا تضاد ہی ہماری ناکامی کا اصل سبب ہے"

تحریر : نجیب صدیقی

ہمارے معاشرے میں برائیاں اتنی نمایاں ہو چکی ہیں کہ ہر شخص صبح و شام انہیں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے' محسوس کر رہا ہے اور کڑھ رہا ہے۔ ان برائیوں کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ خود برائی کرنے والا جو پوری ڈھٹائی سے برائی میں ملوث ہے دوسروں کی برائیوں سے شاکی ہے۔ اجناس میں ملاوٹ کرنے والا اس بات پر شکوہ کرتا ہے کہ وہ بازار سے دوا لینے گیا تو جعلی دوائیں لے آیا' جس سے مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہوا لیکن وہ خود اپنی کارگزاری پر شرمندہ نہیں ہے' غصہ دوسروں پر ہے علی ھذاالقیاس' زندگی کا کوئی شعبہ اس سے خالی نہیں ہے۔

مذہبی حلقہ جو امت مسلمہ کی ازخود رہنمائی پر فائز ہے ان میں بھی اتنے بڑے بڑے تضادات نظر آئیں گے کہ آدمی دم بخود ہو کر رہ جائے گا۔ عوام الناس جب دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہ دینی رہبر کردار کے اعتبار سے ایسے ویسے ہیں تو انہیں اپنے لئے بہت سے کاموں کے "جواز" کا بہانہ مل جاتا ہے۔

گزشتہ دنوں کی بات ہے کہ تنظیم اسلامی کراچی نے طے کیا کہ حیدر آباد کے رفقاء کو متحرک کے لئے ایک دو روزہ وہاں لگایا جائے۔ جناب نسیم الدین صاحب اس دو روزہ کے لئے رفقاء کو لے کر حیدر آباد گئے' پروگرام کے مطابق حیدر آباد میں تنظیم کا تعارف کرایا اور مختلف طریقہ سے دعوت کے کام کو روشناس کرایا گیا جس میں ہینڈ بل کی تقسیم' مظاہرہ اور مختصر خطابات شامل تھے۔ واپسی پر ایک مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے لئے رفقاء جمع ہوئے جناب نسیم الدین صاحب نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔ دوران نماز ہی کچھ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور انہوں نے فوری طور پر جماعت کے پیچھے ایک دوسری جماعت شروع کر دی۔ اس دوسری جماعت کی امامت کرنے والی پاکستان کی نمایاں شخصیت تھی بلکہ عالم اسلام کی بھی نمایاں شخصیت تھی۔ بیک وقت ایک مسجد میں دو جماعتیں ہو رہی تھیں اس مشہور و معروف شخصیت کو اتنا صبر بھی نہ آیا کہ پہلی جماعت ختم ہو جاتی تو اس کے بعد وہ اپنی جماعت کر لیتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو منبر رسول پر بیٹھ کر امت مسلمہ کی وحدت کے لئے دعائیں کرتے ہیں' مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی تمنا رکھتے ہیں اور اس کا اظہار بھی بڑے شد و مد سے کرتے ہیں' عمل کے میدان میں ان کا حال یہ ہے ؎

سب سے زیادہ منہمک دنیا میں دیکھا ہے اسے
بیٹھ کر منبر پہ جو کہتا ہے دنیا کچھ نہیں

نسیم الدین صاحب حیران تھے کہ ان کے عقب میں کون نقب لگا رہا ہے۔ ان کی چشم حیران نے یہ دیکھا کہ یہ تو بھاری بھرکم شخصیت ہے' عالم فاضل اور نہ جانے کیا کیا! کمال حیرت سے انہوں نے پوچھ ہی لیا کہ حضرت جب آپ نے اللہ اکبر کہا تو میں سمجھا کہ میں نماز میں کچھ بھول گیا ہوں' یہ ادب میں لپٹا ہوا طنز بھی انہیں شرمندہ نہ کر سکا۔

انسانوں کو متاثر کرنے اور انہیں مسخر کرنے میں کردار اور صرف کردار ہی کام آتا ہے۔ کردار میں تضاد انسان کے بھرم کو پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ زبان سے آدمی جتنے

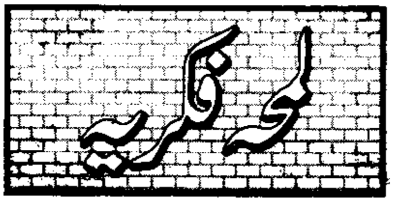

بڑے بڑے پہاڑ بنالے ان کی حیثیت ریت کی دیوار سے زیادہ کچھ نہیں۔ آج امت کے اکابرین عوام الناس میں اپنا حقیقی اثر و نفوذ اس لئے نہیں رکھتے' عوام کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ان کے قول و فعل میں واضح تضادات ہیں۔ دوسروں کو فقر و فاقہ کی نصیحت اور خود تمام آسائشوں سے ہم کنار' دوسروں کو جہاد کی دعوت اور خود نرم گرم بستروں کے اسیر یہ لوگ کسی بھی قسم کا انقلاب نہیں لا سکتے۔

عالم اسلام کی رہنمائی کے لئے جب تک ایسے لوگ نہیں آئیں گے جو اپنے قول و فعل میں یکسانیت رکھتے ہوں' وہ جو کہتے ہوں ان باتوں پر سختی سے عامل ہوں۔ نبیؐ کی سنت بھی یہی ہے اور صحابہ کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ یہی بات لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتی ہے اور انہیں آمادۂ عمل کرتی ہے ورنہ بات لذت زبان و ذہن سے زیادہ نہیں۔

آپ جس سے پوچھئے وہ یہی کہے گا کہ پہلے "مولوی" تو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں' سیاسی لوگ تو اپنے مفادات کے لئے ملتے بھی ہیں اور ایک دوسرے سے الگ بھی ہو جاتے ہیں مگر ہمارے دینی اکابرین اسلام کی سربلندی کے لئے ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے؟ مسلک کے حصار میں وہ اس طرح مقید ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز بھی ادا نہیں کر سکتے۔ ان کے اس طرز عمل سے عوام بیزار ہیں مگر دینی رہنمائی کے لئے وہ بھی مجبور ہیں۔ ملک کی تمام مساجد پر ان کا قبضہ ہے' چاہئے تو یہ تھا کہ منبر رسول پر بیٹھ کر دین کی سربلندی کے لئے لوگوں کو آمادہ عمل کیا جائے مگر اس منبر پر بیٹھ کر تفریق کی باتیں کی جاتی ہیں۔ امت کو گروہ در گروہ تقسیم کرنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو"۔ مگر یہ "حامل قرآن" مسلک سے چمٹنے کی تلقین کرتے ہیں۔ مسلک پرستی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے دین کی اصل یعنی قرآن مجید کی دعوت کو عام کرنا ہو گا' اس کے متن و معانی کو لوگوں کے دلوں میں اتارنا ہو گا' انہیں بتانا ہو گا کہ ہمارا دین ایک اکائی ہے' مسالک کی حیثیت ثانوی در ثانوی ہے۔ دین کی سربلندی کی راہ میں اسے آڑے نہیں آنا چاہئے' اسے تو ممد و معاون ہونا چاہئے۔ مگر جن لوگوں نے اس مسلک ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے در اصل ان کی وابستگی کچھ مفادات کے حوالے سے ہے۔

قرآن کی دعوت جب اٹھ کھڑی ہو گی تو یہ چھوٹے چھوٹے گھروندے خود زمین بوس ہو جائیں گے۔ دین کی سربلندی چاہتے ہیں تو مسلکوں کی دیواروں کو عبور کرنا ہو گا۔

ذکر ایک پڑوسی کا!

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے دکھ پہنچاتا رہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جا اور اپنا سامان باہر نکال کر راستہ پر رکھ دے۔ اس شخص نے جا کر اپنا سامان نکالنا شروع کر دیا تو لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے کہا میرا ایک پڑوسی مجھے تکلیف دیتا رہتا ہے میں نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی تو آپؐ نے فرمایا کہ جا اور اپنا سامان باہر نکال کر راستہ پر رکھ دے۔ اب لوگوں نے سن کر اس ظالم پر لعنت بھیجنا اور بددعائیں کرنا شروع کر دیں۔ اس کی اطلاع اس کو بھی ہو گئی۔ وہ اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اپنے گھر چل۔ واللہ اب میں تجھے کبھی نہیں ستاؤں گا۔

○○○

اسلام قبول کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر...

کمپیوٹر انجینئر "لی کوپر" کے قبول اسلام کی داستان

سب سے پہلے اسلام سے میرا تعلق اس وقت قائم ہوا جبکہ ایک برٹش فرم نے مجھے مراکو میں کام کرنے کا موقع دیا۔ مراکش کے قومی ٹیلی ویژن میں نشر ہونے والے کمپیوٹر پروگرام کے پرزوں کو صحیح حالت میں رکھنے کا کام مجھے سونپا گیا تھا۔ میری یہ ملازمت اکتوبر ۱۹۹۱ء میں شروع ہوئی اور چند ہی مہینوں میں کام پورا ہو گیا۔

میرا تقرر اس کام کے لئے کیوں کیا گیا تھا؟ اس کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ شاید یہ میری تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔ میرے ساتھ بہت سے کارکن اس کام میں مجھ سے زیادہ مہارت رکھتے تھے اور وہ لوگ فرانسیسی زبان میں بات کر سکتے تھے لیکن مجھے یہ کام سونپا گیا اور میں چلا گیا۔

مجھے سیاحت کا شوق ہے۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں مراکو اور اس کی تہذیب کے بارے میں جو بھی معلومات مہیا کر سکتا ہوں' ضرور کروں گا۔ میں اپنے خالی اوقات میں زیادہ تر کاسابلانکا میں پیدل چکر لگایا کرتا یا پھر ریل سے رباط اور مراکش شہر جایا کرتا تھا۔ ان سفروں میں اکثر ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا جن کی خوشگوار یادیں آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔

ان سفروں کے درمیان مجھے افریقہ کی سب سے بڑی مسجد "شاہ حسن دوئم مسجد" دیکھنے کا موقع ملا جو اس زمانے میں زیر تعمیر تھی۔ جو صاحب مجھے گائیڈ کر رہے تھے انہوں نے بتایا کہ اس مسجد کے میناروں میں روشنی کا ایسا انتظام کیا جائے گا جس سے روشنی کی کرن قبلہ رخ جاتی نظر آئے گی۔

میں اکثر دیکھتا کہ مسلمان پنج وقت نمازوں کے لئے اذان کے فوراً بعد تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے مسجدوں کی جانب جاتے دکھائی دیتے تھے۔ میں اپنے اس تجسس کو دور کرنا چاہتا تھا لیکن عربی اور فرانسیسی سے ناواقفیت نے مجھے اس کا موقع نہیں دیا' میں جاننا چاہتا تھا کہ یہ لوگ مسجد کیوں جاتے ہیں اور اللہ اکبر کے کیا معنی ہیں۔ مراکش کے قیام کے دوران یہ سوالات برابر میرے ذہن میں اٹھتے رہے لیکن قبل اس کے کہ مجھے ان کا جواب ملتا مجھے مراکش سے واپس لوٹنا پڑا۔

یہ تجسس انگلینڈ میں بھی قائم رہا بلکہ انگلینڈ واپس آنے پر اسلام کے متعلق جو کچھ میں مراکش میں جاننا چاہتا تھا' اس میں کچھ اضافہ ہی ہو گیا' مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملا جس سے میں تبادلہ خیال کر سکتا۔ میرے گھر سے قریب ترین مسجد ساؤتھ امپٹن (South Ampton) کے بیرونی حصہ میں کئی میل دوری پر واقع تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ میں ان لوگوں سے مذہب کے متعلق سوالات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا جنہیں اس قسم کے سوالات سے اکثر پریشان کیا جاتا ہے۔ ویسے بھی اسلام قبول کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا۔ میں تو صرف ذہنی تشفی کا طالب تھا۔

۱۹۹۳ء میں میں نے ساؤتھ امپٹن یونیورسٹی میں شام کے وقت لگنے والی کلاس میں داخلہ لے لیا۔ میرے نصاب میں تاریخ اسلام بھی شامل تھی۔ کچھ ہفتوں بعد میں نے عربی درجات میں بھی داخلہ لے لیا۔ اسلامی تاریخ کی کلاس سے مجھے دو ماہ کے بعد میری عدم دلچسپی کی وجہ سے نکال دیا گیا۔ میں اور میرا ایک اور ساتھی اس سے دل برداشتہ نہیں ہوئے' کیونکہ مجھے ان سوالات کا جواب مل گیا تھا جو مراکش میں میرے ذہن کو کرید رہے تھے۔ عربی کی تعلیم بھی دو تین ماہ جاری رہی لیکن مجھے اس کا اعتراف ہے کہ یہ کورس میرے لئے بہت مشکل ثابت ہوا اور مجھے اسے چھوڑنا پڑا۔

ریتیلے شہر کی جانب

مراکو سے واپسی پر میں نے ملازمت دلانے والی ایک فرم میں اپنا نام رجسٹرڈ کروا لیا تھا۔ ۱۹۹۴ء میں اس نے مجھ سے رابطہ قائم کر کے پوچھا کہ میں کیا ایک کمپنی کی خاطر کویت میں کام کرنا پسند کروں گا۔ میں اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے نئے مالکوں سے رابطہ قائم کیا اور کویت جانے کی رضامندی دے دی۔

لندن کے ہیتھرو (Heathrow) ہوائی اڈے پر انٹرویو کے بعد یکایک مجھے کچھ عجیب سی ذہنی الجھن ستانے لگی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں نے اپنا مستقبل اندھیروں کی نذر کر دیا ہو۔ میں خوف زدہ ہو گیا' میں سوچنے لگا کہ انگلینڈ میں جس طرح حفاظت واستحکام اور کسی تذبذب کے بغیر زندگی گزار رہا ہوں تو پھر میں کسی عرب ملک کو کیوں جانے پر تیار ہو گیا' جو دو سال میدان جنگ بن چکا ہے۔ شاید مجھے کسی صحرا میں کام کرنا پڑے اور مجھے کسی خیمے میں رات بسر کرنی ہو جس میں سانپ اور بچھو چھائے رہتے ہوں' حالانکہ جنگ کے زمانے میں ٹیلی ویژن پر کویت کے اکثر مناظر دیکھے تھے لیکن میرے ذہن پر وہ نقشہ حاوی تھا جو کہ لارنس آف عریبیہ نے پیش کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ نے کویت جانا میری تقدیر میں لکھ دیا تھا۔

کویت میں آمد

جون ۱۹۹۴ء میں کویت پہنچنے پر مجھے پلازا ہوٹل لے جایا گیا۔ مجھے یہاں ایک ماہ گزارنا تھا' کیونکہ جو مکان مجھے ملا تھا اس کی مرمت ہو رہی تھی۔ مراکو کی طرح کویت میں بھی اپنے خالی وقت میں شہر کا پیدل چکر لگایا کرتا۔ ۴۰ ڈگری سینٹی گریڈ گرمی بھی اس میں مانع نہیں ہوئی۔ میں اسلامک پریذیٹیشن کمیٹی (آئی پی سی) کے دفتر اور مکتبوں میں چلا جاتا لیکن میں نے کسی سے اسلام کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔

کچھ دنوں بعد میں ٹیلی ویژن کے اسلامی پروگرام دیکھنے لگا۔ الوائس ٹیلی فون نمبر سے واقف ہو گیا جس سے میں اسلام کی بابت مزید معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ حالانکہ میرے ذہن میں اس نمبر سے کسی قسم کی مزید واقفیت حاصل کرنے کا داعیہ نہیں پیدا ہوا لیکن ٹیلی فون نمبر اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ میں ان ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو دیکھنے اور ان کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے سوال کرنے لگا اور اس طرح 1995ء میں اسلام کے متعلق میری دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ کچھ کتابیں خرید کر پڑھوں۔ ہیکل کی "حیات محمد" پڑھنے کے بعد میں حضرت محمد ﷺ کی شخصیت سے سرسری طور پر واقف تو ہو گیا لیکن اس وقت تک مجھے اس کا یقین نہیں تھا کہ واقعی خدا کا وجود بھی ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ میں کام کرتا تھا وہ اچھے اور ایماندار لوگ تھے اور مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے اسلام کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں بتائیں گے۔ پھر بھی سوال یہ تھا کہ مجھے ان لوگوں کی بات پر یقین کیوں نہیں تھا؟ مغرب کے ایک باشندے کو جسے خدا کے موجود ہونے پر یقین ہی نہیں تھا' کون اس کا ثبوت دے سکتا تھا کہ

(۱) واقعی خدا کا وجود ہے اور

(۲) یہ کہ خدا جیسس (Jesus) نہیں تھا۔

آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں اس نسل کا پرداختہ ہوں جسے مذہب کے نام پر اسکول میں کچھ تعلیم دی جاتی ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ نہ کبھی عبادت کرنے کا موقع ملتا ہے اور نہ اسے سمجھنے کا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو کچھ بتایا جاتا ہے اس پر کوئی ایمان ہی نہیں لاتا۔ مجھے کسی واقف کار کی ضرورت تھی لیکن اس کا بھی موقع نہیں تھا۔ مجھے کرسمس کے لئے انگلینڈ جانے کی دو ہفتے کی رخصت ملی ہوئی تھی اور میں اسے کسی قیمت پر گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

اسلام پریذیٹیشن کمیٹی

انگلینڈ میں ہی میں نے طے کر لیا تھا کہ کویت واپس ہونے پر میں آئی پی سی سے رابطہ قائم کروں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ تہذیب و تمدن کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور عربی کی تعلیم کا بھی۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ میں عربی ضرور سیکھوں گا۔

اس طرح جنوری 1996ء کے آخر میں میں نے آئی پی سی کو پہلا مراسلہ بھیجا' میری پہلی ملاقات کمیٹی میں ریسرچ کرنے والے جناب عبدالطیف اور کمیٹی کے صدر جناب عبدالوہاب الشی سے ہونا طے پائی۔

میرا خیال تھا کہ ملاقات کے دوران مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتایا جائے گا' لیکن ان حضرات نے اس پر زور دیا کہ چونکہ اسلام میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں' لہٰذا وہ اپنے خیالات و نظریات سے مجھ پر اثر انداز ہونا پسند نہیں کرتے بلکہ یہ مناسب ہو گا کہ میں جو کچھ سوال کرنا چاہوں وہ اس کا جواب دیں۔ میرا خدا پر ایمان نہیں تھا' نہ جیسس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر اور نہ اللہ پر۔ اس لئے میں نے ان سے کہا کہ میں کیا سوال کروں۔ اس کے بارے میں میرے ذہن میں کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ کار کے اندر سفر کرتے ہوئے کچھ وقت خاموشی میں گزرا تھا کہ مجھے اسلامی تاریخ کے بارے میں کچھ یاد آیا اور پھر گفتگو کا آغاز ہوا۔

چند ایک ملاقاتوں کے بعد میں نے ان سے کہا کہ وہ یہ ثابت کریں کہ خدا کا وجود ہے' اس سوال کے جواب میں انہوں نے مورس بوکائیلے (Maurice Bucailley) کا کتابچہ "قرآن اور ماڈرن سائنس" دیا۔ اس کتابچہ میں میں نے قرآن کے کچھ اقتباسات دیکھے جن کے بارے میں یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صرف چھ سو سال بعد کوئی شخص لکھ سکتا ہے۔

مثال کے طور پر سورۃ الرحمٰن آیت ۳۳ میں ہے کہ

"اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے تو نکل بھاگو' نہیں نکل سکتے کہ بدون (ہمارے) اختیار کے۔"

اسی طرح سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۳۳ میں زمین کی گردش کرنے کا تذکرہ ہے' جبکہ اس زمانے میں دنیا زمین کے مسطح ہونے پر یقین کرتی تھی۔

"اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند سب اپنے اپنے گھر یعنی مقررہ راستے پر گھوم رہے ہیں۔"

میں نے اپنے گردوپیش پر نظر ڈالی۔ خاص طور پر آکسیجن کی موجودگی پر نہ تو ہم اسے دیکھ سکتے ہیں' نہ سونگھ سکتے ہیں' نہ سن سکتے اور نہ چھو سکتے ہیں لیکن زندہ رہنے کے لئے اس کی موجودگی ضروری ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ خدا موجود ہو لیکن ہم اس کی صفات کے ادراک سے قاصر ہوں؟

اس موقع پر میرے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اگر خدا نے اس کائنات کو نہیں بنایا ہے تو پھر کس نے بنایا ہو گا۔ اگر یہ کائنات عظیم دھماکے (Big Bang) کے نظریے کے مطابق وجود میں آئی ہو تو بھی یہ عظیم دھماکہ کس نے کیا تھا؟

میں ذہنی طور پر ایک ایسے گوشہ تنہائی میں پہنچ چکا تھا جہاں میرے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ کسی نے مجھے خدا کے وجود کے بارے میں قائل نہیں کیا بلکہ میں خود ہی قائل ہو گیا۔ اس طرح میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ خدا موجود ہے مگر یہ "خدا" کون سا خدا ہے۔

خدا تو ہے لیکن وہ کون سا خدا ہے

کیا یہ خدا جیسس (Jesus) تھا۔ اسکول میں بائبل پڑھتے وقت بھی مجھے اس پر کبھی یقین نہیں تھا' لہٰذا اب اس پر ایمان لانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس کے برعکس میرے ہاتھ میں قرآن کریم تھا جس کی صحت سائنس کی تسلیم شدہ حقیقتوں سے ثابت ہوئی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اس کے علاوہ میں نے بائبل میں وہ مقامات بھی تلاش کر لئے جس میں جیسس (Jesus) کے خدا ہونے سے صریحاً انکار کیا گیا ہے۔ عیسائی اپنے اس مقدس صحیفے میں یہ عبارتیں پڑھنے کے بعد کس طرح جیسس کرائسٹ (Jesus Criest) کو خدا مان سکتے ہیں؟ کتاب متی۔ باب ۱۹ آیت ۱۶۔۱۷ میں مرقوم ہے:

"اس نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے نیک تو وہی ایک ہے جو خدا ہے۔"

کتاب یوحنا باب ۵' آیت ۳۰ میں ہے

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار (Comforter) یعنی محمد ﷺ بخشے گا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔"

اسلام قبول کرنے کا فیصلہ

پس اس طرح رمضان میں جبکہ حضرت محمد ﷺ پر قرآن پہلی بار نازل ہوا' اسلامک پریذیٹیشن کمیٹی کے ساتھ ہر ہفتہ میں دو تین بار رات میں ملاقات کرتا تھا' یہ ملاقاتیں الاشیہ دیوانیہ یا پلازا ہوٹل کے کافی روم میں ہوا کرتی تھیں' یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ یہ ملاقاتیں اسی ہوٹل میں ہو رہی تھیں۔ جہاں کویت آنے کے بعد میں نے پہلے چند ہفتے گزارے تھے۔

گزشتہ سال ۲۹ رمضان ۱۴۱۶ھ (بمطابق ۱۸ فروری ۱۹۹۶ء) کو اس وقت سے تقریباً پانچ سال بعد جب میں نے اسلام سے دلچسپی لینی شروع کی تھی میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ مجھے اللہ پر ایمان لانا چاہئے جو کہ واحد معبود ہے اور جیسس (Jesus) اللہ کے فرستادہ رسول تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ میں اسلامک پریذیٹیشن کمیٹی سے اپنے دوستوں کی موجودگی میں اسلام قبول کرنا چاہتا تھا۔ میں الاشیہ دیوانیہ گیا اور میں نے کمیٹی کے صدر کے ساتھ کلمہ شہادت دہرایا۔

اس میں مجھے کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی جانب میری رہنمائی کی۔ میں اسلامک پریذیٹیشن کمیٹی کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے تلاش حق میں میری مدد کی۔

بقیہ : گوشۂ خلافت

طرح حسن سلوک کرنا کہ قیامت کے دن تمہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اپنے وقت کا ایک متعین حصہ مظلوم اور فریادی لوگوں کے لئے وقف رکھنا۔ اس وقت فوجیوں' معاونین خصوصی' افسران پولیس یا خفیہ ایجنسیوں کے افراد' کسی کو بھی اپنے اور عوام کے درمیان حائل نہ ہونے دینا۔ جس کا جی چاہے بلاخوف وخطر تم سے مل سکے اور اپنے دل کی بات کہہ سکے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس میں کمزوروں کو طاقتوروں سے حق نہیں دلایا جاتا۔ اگر لوگ تمہارے سامنے سخت لہجے میں بات کریں تو اسے برداشت کرنا۔ ان پر ناراض نہ ہونا' اگر اس پر عمل کرو گے تو تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو گی۔ ان کو جو کچھ دینا خوش دلی سے دینا اور اگر ان کی مدد نہ کر سکو تو اچھے طریقے سے معذرت کرنا۔ رعایا سے زیادہ دن دور نہ رہنا' عوام سے دوری حاکم کی تنگ دلی کی غماض ہے۔ اس طرح حاکم عوام سے بے خبر ہو جاتا ہے اور پھر اسے غلط خبریں دی جانے لگتی ہیں اور وہ اس قابل نہیں رہتا کہ صحیح اور غلط کو پہچان سکے۔ رعایا سے حسن سلوک کے بعد احسان نہ جتانا۔

خارجہ پالیسی

اگر دشمن صلح کی دعوت دے تو قبول کر لینا' خدا تعالیٰ امن سے خوش ہوتے ہیں۔ تاہم دشمن سے صلح ہو جانے کے بعد بھی چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ بعض اوقات دشمن تمہیں غفلت میں رکھنے کے لئے بھی صلح کر لیتا ہے۔ دشمن کے قول و قرار پر مکمل بھروسہ نہ کرنا البتہ دشمن سے کئے ہوئے معاہدے کو خود نہ توڑنا۔ عہد کی پابندی کرنا' وعدہ خلافی نہ کرنا۔ دشمن سے بھی دغابازی نہ کرنا' اس پر اچانک حملہ نہ کرنا کیونکہ ایسا کرنا خدا سے بغاوت ہے اور خدا کے احکامات سے روگردانی بے وقوف لوگ ہی کرتے ہیں۔ دوسری قوموں سے عہد و پیمان میں کوئی دھوکہ اور جعلسازی نہ کرنا۔ معاہدہ کی عبارت میں ابہام نہیں ہونا چاہئے'

کرنسی بحران — دس روحانی واخلاقی اصول

جن پر عمل کئے بغیر دنیا کی تباہ حال معیشت درست نہیں ہو سکتی!

—— اخذ و ترجمہ : سردار اعوان ——

دہلی' بھارت سے شائع ہونے والے ہفت روزہ Radiance views (۲۶/ اپریل تا ۲ مئی ۹۸ء) میں جناب چندر ا مظفر کا "کرنسی بحران : دس روحانی واخلاقی اصول" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے جنوب مشرقی ایشیاء کے حالیہ کرنسی بحران کے حوالے سے بھولے بسرے دس روحانی واخلاقی اصول یاد دلائے ہیں جن سے انحراف کے باعث عالمی معیشت کا تباہی سے دوچار ہونا ناگزیر نظر آتا ہے۔ جنوب مشرقی ایشیاء وہ سرزمین ہے جہاں تمام بڑے بڑے عالمی مذاہب ملتے ہیں جس سے اس بحران میں مذہب کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

وہ دس اصول یہ ہیں :

۱) مذہب میں یہ بات ہمیشہ سے شامل رہی ہے کہ معاشی عدل میں اخلاقیات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ **اخلاقی اصولوں سے عاری کوئی بھی معاشی کاروبار قابل** قبول قرار نہیں پاتا۔ بدھ مذہب میں "رزق حلال" سے مراد ہی وہ رزق ہے جس سے لوگوں کا بھلا ہو۔ اسلام نے آگے بڑھ کر حلال اور حرام کے درمیان واضح تفریق کر دی۔ مثلاً گھریلو استعمال کے برتنوں کی خرید و فروخت جائز مگر شراب کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں۔ بلکہ ایک حلال کاروبار میں بھی اگر اخلاقی اصولوں کی پیروی نہ کی گئی ہو تو وہ حرام کاروبار قرار پائے گا۔ فلپائن کی ایک ممتاز قومی شخصیت نے اپنے ایک مضمون میں جنوب مشرقی ایشیاء میں مسلمان تاجروں کی سخاوت' مہمان نوازی اور دیانت کا خوبصورت الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ یہ وہ اوصاف ہیں جنہیں کل تک کاروباری دنیا میں مسلم حیثیت حاصل تھی جب کہ آج کے عالمی معاشی نظام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ کس طرح کرنسی کا چالاکی اور ہنرمندی سے استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جائے' حالانکہ کرنسی کا نفع بخش کاروبار بذات خود ایک غیر اخلاقی فعل ہے۔ ایک ایسی شے کو سامان تجارت قرار دے لینا کہاں کا انصاف ہے جس کا اصل مقصد محض تجارت میں سہولت پیدا کرنا ہو۔

۲) کرنسی کا ناجائز کاروبار تمام اہم عالمی مذاہب میں غیر اخلاقی تصور کیا گیا ہے۔ مثلاً سٹہ کا کاروبار ایک قسم کا جوا ہے' جو کسی بھی عالمی مذہب میں جائز نہیں۔

۳) سٹہ کا سود کے ساتھ گہرا تعلق ہے کیونکہ کرنسی کے بھاؤ میں اتار چڑھاؤ کی ایک اہم وجہ سود ہے جب کہ موجودہ بنکاری نظام سود پر مبنی ہے اور یہ کرنسی کے بھاؤ میں اتار چڑھاؤ ہی ہے جو سٹہ بازی کا باعث ہے۔ کرنسی کے اس جوئے سے قطع نظر سود کی اپنی جو تباہ کاریاں ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ دولت کا ارتکاز' معاشی اور سماجی عدم مساوات' غریبوں کا استحصال' گرانی اور افراط زر میں اضافہ جیسی لعنتیں سود کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ تمام عالمی مذاہب میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے یہاں تک کہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں آج بھی خود ہندوؤں میں سود خور کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ صرف یہودیوں میں ایک استثناء ہے کہ وہ غیر یہودیوں سے سود لینا ناجائز نہیں سمجھتے ورنہ آپس میں سود کا لین دین یہودیوں میں بھی حرام ہے۔

۴) اسلام میں وزن و قسط کے برقرار رکھنے کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس میں کمی بیشی کا لوگوں کے اخلاق اور رہن سہن پر برا اثر پڑتا ہے اور ناانصافی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ کرنسی کے بھاؤ میں کمی بیشی اسی زمرہ میں آتی ہے' یہ ایسا ہی ہے کہ کبھی آپ نے کلو گیارہ سو گرام کا بنالیا اور کبھی نو سو گرام کا۔

۵) اکثر مذاہب میں جائز دولت صرف وہی تصور ہوتی ہے جو محنت سے حاصل کی گئی ہو۔ ایسی محنت جو غیر اخلاقی نہ ہو لہٰذا چالاکی سے جمع کی ہوئی دولت مذہب کی رو سے جائز نہیں ٹھہرتی۔

ہم نے اب تک جو جائزہ پیش کیا ہے اس سے یہ واضح کرنا پیش نظر تھا کہ کرنسی کا ناجائز کاروبار جو عالمی اقتصادیات کا اہم عنصر ہے اور جس پر جنوب مشرقی ایشیاء کو زیادہ اختیار حاصل نہیں' عالمی مذاہب کی رو سے جائز نہیں۔

اب ہم ان امور کی طرف آتے ہیں جن کا تعلق داخلی طور پر جنوب مشرقی ایشیاء سے ہے اور جن سے روحانی واخلاقی تعلیمات کی نفی ہوتی ہے۔

۱) کرنسی بحران سے دوچار جنوب مشرقی ایشیاء کے تمام ممالک کو اس وقت کسی نہ کسی حد تک مالی خسارہ کا سامنا ہے' یعنی ان کی برآمدات' درآمدات کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ سادہ الفاظ میں یہ ممالک اپنے وسائل سے بڑھ کر خرچ کر رہے ہیں جسے کسی بھی مذہب میں پسندیدہ خیال نہیں کیا جاتا۔

۲) چہ جائیکہ بحران کی صورت میں کفایت شعاری سے کام لیا جائے' جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں اونچے طبقے کی عیاشیوں اور شاہ خرچیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ملک کے اندر اور باہر عالیشان محلات' ذاتی ہوائی جہاز' قیمتی گاڑیاں' مہنگے ترین ملبوسات اور آئے دن بیرونی سفر بڑے لوگوں کا معیار زندگی بن چکا ہے۔ دوسری طرف انہی ممالک کے رہنے والے عوام کو زندگی کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لئے پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہیں۔ مذہب تو دور کی بات ہے کوئی عام انسان بھی اس فرق و تفاوت کی تائید نہیں کر سکتا۔ بدھ مت ہو یا اسلام' ہر مذہب میں میانہ روی کی انتہائی تاکید آپ کو ملے گی۔ ایک پر مسرت اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے ناگزیر ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسراف اور فضول خرچی شمار ہوتی ہے جس کی مختلف مذاہب میں مذمت کی گئی ہے۔

۳) اسراف اور فضول خرچی کے پیچھے کرپشن اور اقربا پروری کی لعنت ہے جس نے معاشرے کی جڑیں کاٹ دی ہیں۔ لگ بھگ گزشتہ دو دہائیوں میں جنوب مشرقی ایشیائی ممالک میں اقتصادی ترقی میں جتنا اضافہ ہوا ہے' کرپشن میں اس سے کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے' جو وہاں کے حکمران طبقے کی ملی بھگت کے بغیر ممکن نہیں۔

قرآن میں کرپشن سے سخت حقارت اور نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ بدھ اور ہندو مت کی مذہبی کتابوں میں بھی رشوت کے لین دین پر سخت سزاؤں کا ذکر ملتا ہے۔

مندرجہ بالا تین علاقائی اور پانچ عالمی سطح پر رائج اصولوں میں دو ایسے اصولوں کا اضافہ کرلیں جن کا اطلاق علاقائی اور عالمی دونوں سطحوں پر کیا جا سکتا ہے۔

۱) لالچ ایک ایسی بری بلا ہے جس نے عالمی' علاقائی اور ملکی سطح پر اقتصادی نظام کو جکڑ رکھا ہے۔ اگرچہ یہ بیماری نئی نہیں' پوری انسانی تاریخ میں آپ کو ایسے واقعات مل جائیں گے جن میں لالچ کے ہاتھوں امیر اور طاقت ور لوگ بالآخر تباہی اور بربادی سے ہمکنار ہوئے لیکن انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ لالچ کو باقاعدہ ایک نظام کی شکل دے کر جواز فراہم کیا گیا ہے۔ آج کرنسی کے ناجائز کاروبار CurrencyManipulation کو فری مارکیٹ میں ایک جائز مقام حاصل ہے۔

۲) عالمی' علاقائی اور قومی سطحوں پر کرنسی کے جائز اور ناجائز کاروبار کو جو مقام حاصل ہے وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آج کی دنیا میں عدل اجتماعی کا کیا مقام رہ گیا ہے؟ کرنسی کے کاروبار میں ہیر پھیر کے ذریعے جس طرح غریب عوام کو لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا جاتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

(باقی صفحہ ۹ پر)

تحریک نفاذ شریعت کے امیر مولانا صوفی محمد سے مولانا غلام اللہ حقانی کی ملاقات

تنظیم اسلامی ذیلی حلقہ مالاکنڈ ڈویژن کے ناظم مولانا غلام اللہ حقانی نے کہا کہ موجودہ باطل نظام پارلیمانی طرز سیاست کو اپنا کر تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے وہی طریقہ کار اپنانا ہو گا جو حضرت محمدؐ نے اپنایا تھا۔ انہوں نے یہ باتیں تحریک نفاذ شریعت کے امیر صوفی محمد صاحب سے ملاقات کے موقع پر کیں۔ انہوں نے صوفی محمد صاحب کو بتایا کہ پارلیمانی طرز سیاست پر تنقید کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اس سے عوام الناس کی عزت نفس مجروح نہ ہو کیونکہ مذہبی جماعتوں میں اکثریت مخلص اور سادہ لوح مسلمانوں کی ہے۔ ایک مذہبی لیڈر نے ان سادہ دل لوگوں کو کچھ اس طرح سمجھایا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ فحاشی' عریانی' معاشرہ کے اندر لوٹ کھسوٹ اور بے جا ظلم جاری ہے اور چونکہ ہمارے حکمران بدعنوان ہیں' لہٰذا لوگ مذہبی جماعتوں کا ساتھ دیں تاکہ اس فاسد نظام کو ختم کیا جائے۔ ایک عام مخلص مسلمان اس بات کو نہیں سمجھ سکتا کہ آیا انتخابات کے ذریعے اسلامی حکومت کی تشکیل ممکن ہے بھی کہ نہیں؟ کہ وہ تو اخلاص کے ساتھ اپنا ووٹ اس مذہبی جماعت کو دیتا ہے۔ اب اگر جمہوریت دشمنی میں کسی دیندار فرد کے اس جذبے کو مجروح کیا جائے تو ظاہر بات ہے کہ اس کے اندر تحریک کے خلاف منفی جذبات ابھریں گے۔ لہٰذا تحریک کی ہائی کمان کو چاہئے کہ وہ جمہوریت کا رد ضرور کریں لیکن ایک تو لہجہ مہذب ہو اور دوسرا اس کی مخالفت قوی اور مضبوط دلائل کے ساتھ ہو۔ انہوں نے تحریک نفاذ شریعت کے امیر کو بتایا کہ مغربی جمہوریت ایک ایسا ناسور ہے جس نے ہمارے جسد ملی کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ مذہبی جماعتوں کے زعماء اور قائدین کے پاس اس نظام میں اپنی صلاحیتیں لگانے کیلئے کوئی دلیل نہیں۔ وہ اندھے بہرے ہو کر اس طرز سیاست میں بھٹک رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مذہبی رہنما پینترے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ سیکولر حکومتوں سے مراعات حاصل کرنے کے ان گنت طریقے جانتے ہیں۔ یہ اپنے ورکروں کو دھواں دھار تقاریر کے ذریعے باور کراتے رہتے ہیں کہ وہ اسلام کے عالمی غلبے کیلئے کوشاں ہیں۔ وہ امریکہ کے بالادستی کو ختم کرنے کیلئے میدان میں آئے ہیں لیکن ان کا عمل بتا رہا ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ سارا ڈرامہ اس لئے رچایا ہوا ہے کہ ذاتی و گروہی مفادات کا حصول ان کیلئے آسان رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک دو مذہبی جماعتوں کا سنجیدہ اور بامقصد اتحاد وجود میں نہیں آیا ہے البتہ سیکولر جماعتوں سے ان کی گٹھ جوڑ ہو جاتی ہے اور مذہبی جماعتیں سیکولر جماعتوں کے ضمیموں اور حاشیہ برداروں کے طور پر کام کرتی رہی ہیں اور اب بھی کر رہی ہیں۔ ملک کی ایک بڑی سیکولر جماعت بھی ایک مذہبی جماعت کی وجہ سے آج اتنے بڑے مقام پر فائز ہے اور ملک کی دوسری بڑی سیکولر جماعت بھی ایک مذہبی جماعت کی وجہ سے آج برسراقتدار ہے۔

نظام کی تبدیلی کیلئے مغربی طرز سیاست اپنا کر ان زعماء قوم نے قوم کا کتنا بڑا نقصان کیا۔ ان کے قول و فعل میں یکسانیت نہ رہی۔ دیواروں پر اسلامی انقلاب کے نعرے لکھتے ہیں' اس نعرہ بازی سے قطعاً کوئی انقلاب برپا نہیں کیا جا سکتا۔ کارکنوں کی ذہنی تربیت انقلابی عمل کیلئے کی جاتی ہے اور تین چار سال بعد اس کارکن کو بیلٹ بکس کے سامنے کھڑا کر کے اس کے فکر و نظر پر پانی پھیر دیا جاتا ہے۔ جنازوں میں شرکت' بیماروں کی تیمارداری اور اس قسم کے دوسرے اعمال کیلئے جو اخلاص اور نیت کی پاکیزگی درکار تھی وہ اب موجود نہیں رہی کہ اب یہ کام مذہبی لیڈر بھی سیاسی بنیادوں پر کرنے لگے ہیں۔ اس شجر خبیثہ کو مدارس میں داخل کر کے وہاں سے علم حقیقی کا جنازہ نکال دیا گیا ہے۔ اب ایک عالم دین کے علم میں نہ جدت ہے اور نہ پختگی ہی ہے یہی وجہ ہے کہ جدید دور کیلئے اسلام جو سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام پیش کرتا ہے ان سے علماء کی اکثریت کماحقہ واقف نہیں۔ اگر کوئی اس حوالہ سے دو چار باتیں جانتا بھی ہے تو اس کا علم سطحی ہے۔ اس لئے کہ مدارس میں جو جتنا ذہین ہے وہ مروجہ سیاست پر اتنا ہی زیادہ قابض ہے۔

مغربی طرز سیاست میں ایک مذہبی لیڈر اپنے مرتبے کو گرا کر ذلت کے مقام پر آجاتا ہے کیونکہ ان کا ہدف ووٹ کا حصول ہے' لہٰذا وہ غیر شرعی کاموں میں بھی باک محسوس نہیں کرتا۔ آئی جے آئی کے پلیٹ فارم سے حکومتی ایوانوں میں پہنچنے کے بعد بھی جماعت اسلامی کے سربرآوردہ لوگوں نے اس شریعت بل پر دستخط کئے جو سودی نظام کا مرقع تھا۔ انہی میں کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے مرد و زن کے اختلاط کو جائز قرار دیا۔ قوم و ملت کے زعماء جانتے ہیں کہ پارلیمانی طرز سیاست سے اسلام کا نفاذ نہیں ہو سکتا لیکن وہ پارلیمانی طرز سیاست کو اس لئے نہیں چھوڑتے کہ مراعات یافتہ طبقات کی طرح ان کا بھی مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ یونین کونسل کی سطح پر بھی ایک مذہبی پارٹی کا نمائندہ اس علاقے کے پولیس سٹیشن میں بھی popular ہوتا ہے اور علاقہ کے سرمایہ دار اور جاگیردار طبقہ میں بھی' وہ ہر سرکاری فنکشن میں بلایا جاتا ہے۔ موجودہ نظام کو بدلنے کیلئے انقلابی عمل ہی واحد سبیل ہے کیونکہ اس ملک کی ۹۰ فیصد آبادی پر سرمایہ دار اور جاگیردار قابض ہیں۔ عوام ان کے ہاتھوں مجبور ہیں کہ وہ ان کو ووٹ دیں۔ مذہبی جماعتوں کی پالیسی سے اسلام ایک متنازعہ issue بن چکا ہے' لہٰذا اسلام کے نام پر ووٹ تقسیم ہو جاتے ہیں۔ آخر میں مولانا صوفی محمد صاحب نے مولانا غلام اللہ حقانی کا شکریہ ادا کیا' انہوں نے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی کی خدمات کو سراہا۔

تنظیم اسلامی فیصل آباد کا دو روزہ پروگرام

تمام رفقاء ۱۷/اپریل کو انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے دفتر میں بعد نماز مغرب جمع ہوئے۔ ۱۸/اپریل کو محمد فاروق صاحب نے نماز فجر کے بعد سورۃ البقرۃ کی چند آیات کا درس دیا' بعد ازاں رفقاء نے ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ ڈاکٹر صاحب چند دن قبل یورپ کے دعوتی دورہ سے واپس آئے تھے' انہوں نے رفقاء کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد رفقاء تنظیم اسلامی فیصل آباد شرقی کے رفیق عبدالشکور صاحب کے گھر گئے جو چند دن قبل حج کر کے واپس آئے تھے۔ موصوف نے رفقاء کی کھجوروں اور آب زمزم سے تواضع کی۔ بعد ازاں کہکشاں کالونی میں خان محمد صاحب سے ملاقات کی جو عبدالشکور صاحب کے ساتھ ہی فریضۂ حج ادا کر کے آئے ہیں' انہوں نے چائے اور مٹھائی سے رفقاء کی میزبانی کی۔ تنظیم اسلامی فیصل آباد شرقی کے امیر ملک احسان الٰہی صاحب نے گورنمنٹ صابریہ سراجیہ سکول پیپلز کالونی میں اساتذہ سے خطاب میں تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کی' اس پروگرام میں ۳۰/۱ اساتذہ نے شرکت کی۔ یہاں سے رفقاء جامعہ مسجد رحمٰن اہل حدیث غوثیہ چوک ڈی ٹائپ کالونی کی طرف روانہ ہوئے' اسی مسجد میں رفقاء نے قیام کیا۔

نماز عصر کے بعد رفقاء مختلف ٹیموں کی صورت میں اردگرد کے علاقے میں دعوت و تبلیغ کیلئے گئے۔ نماز مغرب کے بعد تنظیم اسلامی فیصل آباد غربی کے امیر میاں محمد اسلم

نے خطاب کیا۔ نماز عشاء کے بعد جامع مسجد محمدی اہل حدیث میں ملک احسان الٰہی نے خطاب کیا۔ راقم نے نماز فجر کے بعد "عبادت رب" کے موضوع پر درس قرآن دیا۔ ملک احسان الٰہی نے بھی نماز فجر کے بعد جامعہ مسجد رضویہ میں خطاب کیا۔ نماز ظہر سے قبل علاقے میں دعوتی کام کیا گیا۔ دوپہر کے کھانے کا بندوبست امیر حلقہ پنجاب غربی جناب محمد رشید عمر نے کیا۔ نماز ظہر کے بعد بھی دعوتی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور نماز عصر کے بعد ملک احسان الٰہی نے جامعہ مسجد محمدی اہل حدیث میں "فکر آخرت" کے موضوع پر خطاب کیا۔ کارنر میٹنگ کا بندوبست محمدی چوک ڈی ٹائپ کالونی میں کیا گیا' جس میں محمد فاروق نے خطاب کیا' اس پروگرام کے انعقاد میں محمد حنیف صاحب اور جامعہ مسجد رحمٰن اہل حدیث کی انتظامیہ نے بھی خصوصی تعاون کا مظاہرہ کیا۔ اسی مسجد میں ایک نوجوان نے تنظیم اسلامی کے بارے میں مختلف سوالات کئے اور اطمینان بخش جوابات کے بعد تنظیم اسلامی کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ موصوف اس سے قبل دعوۃ الارشاد سے منسلک رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک اور نوجوان محمد اویس نے بھی تنظیم کے بارے میں اپنی خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا۔ (رپورٹ : محمد نعمان اصغر)

امیر حلقہ پنجاب جنوبی کا دورہ ڈی جی خان

یکم مارچ ۹۸ء سے امیر محترم کے حکم پر راقم کو ڈیرہ غازی خان میں نائب ناظم کی ذمہ داری سونپی گئی۔ امیر حلقہ پنجاب جنوبی کا میری یہ ذمہ داری سنبھالنے کے بعد پہلا دو روزہ دورہ تھا۔ اس مرتبہ 4 مقامات پر درس قرآن کا پروگرام طے ہوا۔ جن میں مسجد فیصل ریلوے روڈ' مسجد اعواناں والی' بستی شیر محمد راجن پور روڈ اور مسجد سودیاں والی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں پروفیسرز حضرات سے ملاقات کا پروگرام بھی بنایا گیا۔ فیصل مسجد تبلیغی جماعت کے زیر اثر ہے' اس مسجد میں راقم کے خالہ زاد جناب ڈاکٹر عبداللطیف چانڈیہ صاحب نے درس کا اہتمام کرایا۔ سامعین کی تعداد ۵۰ کے قریب تھی۔ امیر حلقہ نے سورۂ یونس کی آیات کے حوالہ سے قرآن کی طرف رجوع کرنے اسے پڑھنے اور سمجھنے کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی تعلیمات کو عام کرتے ہوئے ہمیں اسلام کے عالمی غلبہ کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے۔ انہوں نے افغانستان کی طالبان حکومت کی کوششوں کا ذکر بھی کیا۔ درس کے آخر میں سوال وجواب کی نشست ہوئی جس میں زیادہ تر افغانستان کی صورتحال کے بارے میں سوالات پوچھے گئے۔ امیر حلقہ نے افغانستان کی تازہ ترین صورتحال سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر عبداللطیف چانڈیہ صاحب کے کلینک پر مہمانوں کی ضیافت کا انتظام تھا۔ رات کا قیام جلال احمد کھوسہ صاحب کے گھر پر ہوا۔ اگلی صبح دوسرا پروگرام مسجد اعواناں والی میں نماز فجر کے بعد ہوا جس میں سورۃ المنافقون کا درس دیا گیا۔ امیر حلقہ نے قرآن کا مطلوب انسان اور اس کے سیرت وکردار پر روشنی ڈالی اور منافقین کے کردار سے اس کا موازنہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ دین اپنا غلبہ چاہتا ہے لہٰذا اس کیلئے جان ومال کھپانا پڑتا ہے۔ باکردار انسان وہی کہلا سکتا ہے جو اپنے دین کے غلبہ کیلئے اپنی جان اور مال کو لگائے۔ صبح کے اوقات میں ڈی جی خان کے ایک رفیق جناب عبدالرؤف فاروقی کی والدہ کی عیادت کیلئے گئے جو عرصہ 15 سال سے بیمار ہیں۔ ان کیلئے دعائے صحت کی اشد ضرورت ہے۔ اگلے پروگرام کیلئے ڈی جی خان سے راجن پور روڈ پر واقع بستی شیر محمد پہنچے۔ شارجہ کے ایک رفیق جناب غلام فرید صاحب کی خصوصی دعوت پر یہ پروگرام طے ہوا۔ دوپہر کا ظہرانہ ان کے ہاں تھا' انہوں نے امیر حلقہ کی ملاقات اپنے عزیز واقارب سے بھی کرائی۔ موصوف بڑے باہمت نوجوان اور تنظیم کے فعال رکن ہیں۔ انہوں نے تنظیم اسلامی "ڈیرہ" کے لئے کتب اور ۱۰۰ کے قریب آڈیو کیسٹ لائبریری کے لئے ہدیہ کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس قربانی کو قبول فرمائے۔ اس پروگرام سے قبل ڈی جی خان کالج کے چند پروفیسرز حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں۔ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ ڈی جی خان میں کافی عرصہ قبل تشریف لائے تھے' ان کے میزبان خصوصی جناب ڈاکٹر مسعود اختر صاحب سے بھی امیر حلقہ نے ملاقات کی۔ ملاقات بہت مفید رہی اور انہوں نے ماہانہ درس قرآن کے پروگرام میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی۔ شام کو بعد نماز مغرب ۱۵ بلاک کی مسجد میں ماہانہ درس قرآن ہوا۔ اگلے روز صبح نماز فجر کے بعد مسجد سودیاں والی ۲۵ بلاک میں درس قرآن ہوا۔ امیر حلقہ نے سورۃ الحجرات کی آیات کی روشنی میں توحید عملی پر گفتگو کی۔ درس کے بعد بھی سوال وجواب کی نشست ہوئی۔ ناشتہ کے بعد یہ قافلہ واپس عازم ملتان ہوا۔ (رپورٹ : ناصر انیس)

تنظیم اسلامی لاہور جنوبی کی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی لاہور جنوبی کے امیر غازی محمد وقاص صاحب نے اس ماہ کے آغاز میں تمام اُسرہ جات کو یہ ہدف دیا کہ ہر اُسرہ میں کسی رفیق کے گھر کے قرب وجوار کے احباب کو باقاعدہ دعوتی پروگرام میں مدعو کیا جائے جس کے اختتام پر سوال وجواب کی نشست کے ساتھ چائے کا اہتمام بھی ہو۔ اُسرہ علامہ اقبال ٹاؤن نے شاہد احمد عبداللہ صاحب کی رہائش گاہ پر ۱۹/ اپریل ۹۸ء کو بعد نماز مغرب دعوتی اجتماع منعقد کیا۔ رفقاء نے یک صد احباب کو دعوت نامے دیئے جس کے نتیجہ میں چالیس احباب نے شرکت کی۔ رشید ارشد صاحب نے ہماری دینی ذمہ داریاں کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا کہ صرف نماز' روزہ' حج وزکوٰۃ ہی فرض نہیں بلکہ پوری زندگی میں اللہ کی بندگی اختیار کرنا ہم پر لازم ہے' ہمارا معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے تابع ہو۔ دین اسلام پر خود عمل پیرا ہوتے ہوئے اس کی دعوت دینا اور اس کو قائم کرنے کی کوششیں کرنا ہم سب پر لازم ہے۔ سوال وجواب کی نشست کے آخر میں چائے سے تواضع پر نماز عشاء سے قبل مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

تنظیم اسلامی لاہور جنوبی کے زیر اہتمام درس قرآن کا ایک نیا حلقہ قائم کیا گیا ہے۔ مدرس رشید ارشد نقیب اُسرہ ٹاؤن شپ ہر جمعہ کو بعد از نماز مغرب شاہد احمد عبداللہ کی رہائش گاہ ۱۷۵ گلشن بلاک علامہ اقبال ٹاؤن پر درس قرآن کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کا پہلا پروگرام ۲۴/ اپریل کو منعقد ہوا۔ جس میں رحمت اللہ بٹر ناظم تربیت نے درس قرآن دیا۔

تنظیم اسلامی لاہور جنوبی کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۴/ مئی بعد از نماز مغرب محمد اقبال نقیب اُسرہ کی رہائش گاہ واقع نزد رحمانیہ مسجد پونچھ روڈ سمن آباد میں منعقد ہوا' جس میں گزشتہ ماہ نقباء کو دیئے گئے اہداف کا جائزہ لیا گیا اور ناظمین برائے دعوت ونشرواشاعت کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی گئی۔ (رپورٹ : ابوالمہتاب چودھری)

تنظیم اسلامی پیرس کی دعوتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی پیرس کے زیر اہتمام ہفتہ وار درس باقاعدگی سے ہر اتوار کی شام ۵ بجے منعقد ہوتا ہے۔ مارچ کا پہلا پروگرام یکم مارچ بروز اتوار شام ۵ بجے تنظیم اسلامی کے مرکز میں منعقد ہوا۔ پروگرام کے آغاز میں سب ساتھی دورۂ ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں پہلے پارہ کے آخری ۳ رکوع سے بذریعہ ویڈیو کیسٹ مستفید ہوئے۔ اس کے بعد نوید احمد نے احادیث کے حوالہ سے وضو کے مسائل بیان کئے اور پھر ایک نئے آنے والے ساتھی سے تعارف حاصل کیا گیا۔ محمد طاہر قریشی نے تنظیم اسلامی کی دعوت رکھی اور پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کے سلسلہ میں تنظیم اسلامی جس طرح سرگرم عمل ہے' مختصر گفتگو کی۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد مولانا محمد آصف قاسمی کے مرتب کردہ نصاب ترجمہ قرآن سے استفادہ کیا۔ پروگرام کے آخر میں عربی کی کلاس ہوئی جس کے استاد ایک عرب پروفیسر ہیں۔ یوں تنظیم اسلامی پیرس کا یہ دعوتی پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

۲۹/ مارچ کے پروگرام میں منتخب نصاب نمبر۲ کے درس اول کا کچھ حصہ بذریعہ ویڈیو دیکھا گیا۔ اس کے بعد امیر تنظیم اسلامی پیرس حاجی محمد اشرف نے حج اور قربانی کے مسائل پہ گفتگو کی۔ تنظیم اسلامی پیرس کے جو ساتھی امسال حج پر جا رہے تھے انہیں حج اور وہاں قیام کے سلسلہ میں مختلف باتیں بتائیں۔ تنظیم اسلامی پیرس کے رفقاء میں سے اس سال حاجی محمد اشرف' محمد طاہر قریشی اور ممتاز احمد نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی ہے۔ (رپورٹ : اظہر جاوید)

انتقال پرملال

تنظیم اسلامی کوئٹہ کے رفیق جناب شوکت علی کے والد محترم کا قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رفقاء واحباب سے مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وحاسبہ حسابا یسیرا۔

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
سی پی ایل نمبر: 127
جلد ۷، شمارہ ۱۷
سالانہ زرتعاون ۔/۳۲۵ روپے

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس۔ ریلوے روڈ، لاہور
مقام اشاعت: ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: ۰۳۔۵۸۶۹۵۰۱

معاونین برائے مدیر:
○ مرزا ایوب بیگ ○ نعیم اختر عدنان
○ سردار اعوان ○ فرقان دانش خان
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

حسن انتخاب

قرآن کی اثرانگیزی کی ایک درخشاں مثال

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ٹی وی درس قرآن کی بھارت کے ہندوؤں اور سکھوں میں حیرت انگیز مقبولیت

ثریا حفیظ الرحمٰن کے سفرنامے "جس دیس میں گنگا بہتی ہے" سے ماخوذ ایک چشم کشا اقتباس

ان کی بیٹی روزی ایم اے کی طالبہ تھی۔ ہروقت سر پر ململ کا موٹا دوپٹہ اوڑھے رکھتی، بڑے چاؤ سے ملتی۔ اس نے ایک مرتبہ مجھ سے بڑے غصہ میں کہا، آنٹی جی! اگر آپ کی عورتیں پاکستان ٹی وی پر مولانا اسرار احمد کو برداشت نہیں کر سکتیں تو ٹی وی مت دیکھا کریں لیکن انہیں دوسروں کا تو خیال رکھنا چاہئے۔ کیا آپ ہمارا یہ سندیسہ مولانا اور ٹی وی کے بڑے کرمچاریوں تک پہنچا سکتی ہیں کہ ہم لوگ مولانا کا پروگرام بہت پسند کرتے ہیں، دیکھنا چاہتے ہیں، ان کی باتوں کو سمجھنا اور اپنانا چاہتے ہیں۔

روزی کا بھائی جو ان ہی دنوں انجینئرنگ کا کورس مکمل کر کے اپنے گھر آیا تھا، نے بڑے جوش و خروش سے انگریزی میں کہا "مذہب اور اخلاقیات صرف مسلمانوں کی میراث نہیں، یہ ورثہ سب انسانوں میں بانٹنا چاہئے۔ آپ مسلمان تو مساوات کے علمبردار بنتے ہیں"۔ "پاکستان والے یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ پڑوس کا ملک، ان کے "سنتوں" (عالموں) سے کچھ حاصل کرے" روزی نے پھر غصے اور اپنائیت سے لقمہ دیا۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ ہمارے دہلی کے قیام کے دنوں میں پاکستان ٹیلی وژن پر مولانا ڈاکٹر اسرار احمد کا پروگرام ہوا کرتا تھا جس سے ہماری پاکستانی ماڈرن بیبیاں الرجک تھیں اور مولانا کی پاکستان ٹی وی سے چھٹی کروانے کا غلغلہ تھا، جس کا شور پاکستان کے ہمسایہ ملک کے سرحدی علاقوں میں بھی سنا گیا اور جسے وہاں کے لوگوں نے بالکل پسند نہ کیا۔ بات عجیب تھی کہ مولانا اپنے ملک میں تنقید کی زد میں تھے اور بھارتی پنجاب اور کشمیر میں بے حد مقبول۔

ایک سردار جی نے کہا، آپ لوگوں نے یہ اچھا نہیں کیا کہ مولانا کا پروگرام بند کروا دیا۔ جس دن مولانا اسرار احمد کا پروگرام ہوتا تھا تو ہماری بہو بیٹیاں ہمارے جوان، بوڑھے سبھی جلد جلد کام نمٹا کر سرشام ہی ٹی وی کے آگے بیٹھ جاتے۔ ہماری منیوں (لڑکیوں) نے تو باقاعدہ چنیاں (چادریں) لینی شروع کر دی ہیں اور اپنے بالوں کو ڈھانپنا شروع کر دیا ہے۔ دھرم کوئی بھی ہو اچھی باتیں سب کے لئے ایک جیسی ہوتی ہیں۔

ایک سردارنی نے فرمایا، مولانا کی باتیں دل موہ لیتی ہیں، من کو شانتی دیتی ہیں۔ انہوں نے تو ہمارے من ہی بدل دیئے ہیں۔ "پرماتما" کی دیا سے ایک اچھے مہاتما کی باتیں سننے کو ملتی تھی اور ہم پوری کوشش کرتے کہ ان کی اچھی اچھی باتوں پر عمل کر کے ثباب (ثواب) لیں۔ ایک جوان لڑکے نے کہا ہم تو پاکستانیوں کو اپنا آئیڈیل مانتے ہیں۔ مولانا ہمیں سچی روشنی دکھاتے ہیں۔ ایک سکھ لڑکی نے امرتسر میں مجھ سے بڑے تاسف سے کہا افسوس آپ کی بیبیاں کچھ زیادہ ہی ماڈرن بننے کے چکر میں ہیں۔ ہمیں آپ لوگ کافر کہتے ہیں، کافر تو آپ کی بیبیاں ہیں جو بال کٹوا کر ننگے سر، ننگے منہ سارے بازار میں گھومتی ہیں۔ آپ کی بیبیوں نے مولانا کا پروگرام بند کروا کے ہم لوگوں پہ بڑا ظلم کیا ہے۔ ہم تو سچی روشنی، سچی لگن کی تلاش میں ہیں۔ من کی شانتی چاہتے ہیں، دلوں کا کھوٹ دور کرنا چاہتے ہیں اور بے حیائی سے بچنا چاہتے ہیں۔

مسلم اُمہ ۔ خبروں کے آئینے میں (انتخاب : مرزا ندیم بیگ)

اسلامی امارت افغانستان : خون کا بدلہ خون

اسلامی امارت افغانستان میں ایک سزا یافتہ قاتل کو ایک سپورٹس سٹیڈیم میں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں مقتول کے بھائی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ وائس آف امریکہ کے مطابق طالبان حکومت اسلامی قوانین پر سختی سے عمل کرتی ہے اس لئے وہ مقتول کے رشتہ داروں کو اجازت دیتی ہے کہ وہ یا تو قاتل کو مار دیں یا پھر معاف کر دیں۔ موت کی سزا سے پہلے ۲ آدمیوں کو جنہیں شراب کی بوتل کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا انہیں ۸۰، ۸۰ کوڑے لگائے گئے۔ واضح رہے کہ افغانستان میں شراب کی سختی سے ممانعت ہے۔

بغداد کی گلیوں میں ۵۲ کمسن بچوں کا اجتماعی جنازہ

بغداد میں ادویات اور خوراک کی کمی کے باعث ہلاک ہونے والے ۵۲ کمسن بچوں کا اجتماعی جنازہ کے جلوس میں سینکڑوں غمزدہ ماؤں نے بھی شرکت کی جو سینہ کوبی کرتے ہوئے امریکہ کے خلاف نعرے لگا رہی تھیں۔ معصوم بچوں کی میتیں ٹیکسیوں پر رکھی گئی تھیں جن کے ہمراہ ان بچوں کی تصاویر بھی تھیں۔ اقوام متحدہ کی پابندیوں کے نتیجہ میں عراق کے ہسپتالوں میں روزانہ سینکڑوں معصوم بچوں کے انفرادی جنازوں کی بجائے روزانہ اجتماعی [illegible] ے اٹھ رہے ہیں۔ بغداد اور دیگر شہروں کے کوچہ و بازار روزانہ غمزدہ ماؤں اور رشتہ داروں کی دلخراش چیخوں اور آہ و زاری سے لرز اٹھتے ہیں۔